جلد 6 شمارہ 11 جنوری 2005ء ذوالقعدۃ 1425ھ

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ○ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ○ (الاعلیٰ 14-15)

بے شک وہ مراد کو پہنچ گیا جو پاک ہوا۔ اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔
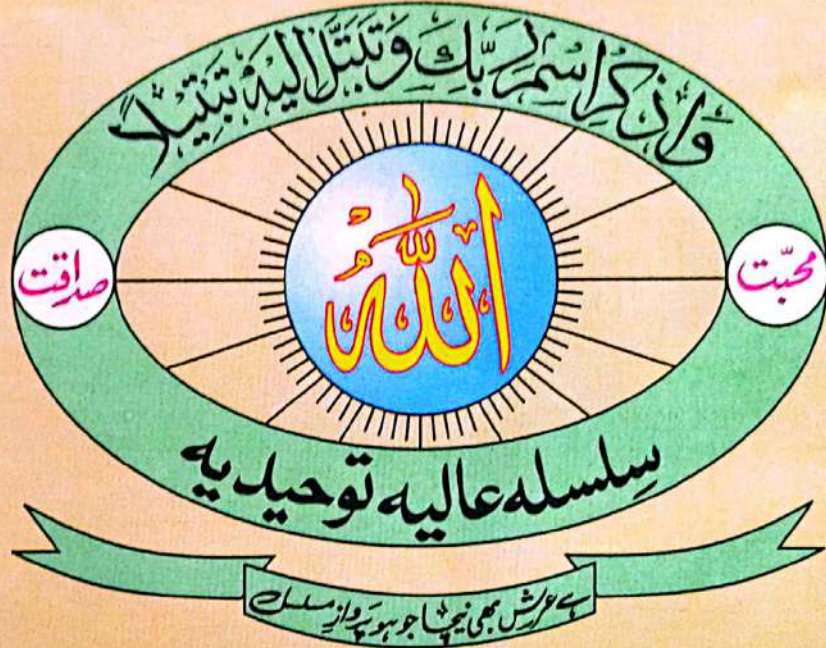
عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

Registerd

CPL No. 491

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

اغراض و مقاصد

- کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول ﷺ، کثرت ذکر، مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا۔
- کشف وکرامات کی بجائے اللہ تعالی کے قرب وعرفان اور اسکی رضا ولقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا۔
- حضور ﷺ کے صحابہ کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج۔
موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت ہی مختصر اور سہل العمل اوراد و اذکار کی تلقین۔
- غصہ ونفرت، حسد و بغض، تجسس و غیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم و رضا، عالمگیر محبت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا، تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل وعیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا۔
- اللہ تعالی کی رضا، اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا۔ اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالی کی محبت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے انکے اخلاق کی اصلاح کرنا۔

عالمگیر محبت، اکرام انسانیت اور فلاح آدمیت کا علمبردار

سلسلہ عالیہ توحیدیہ
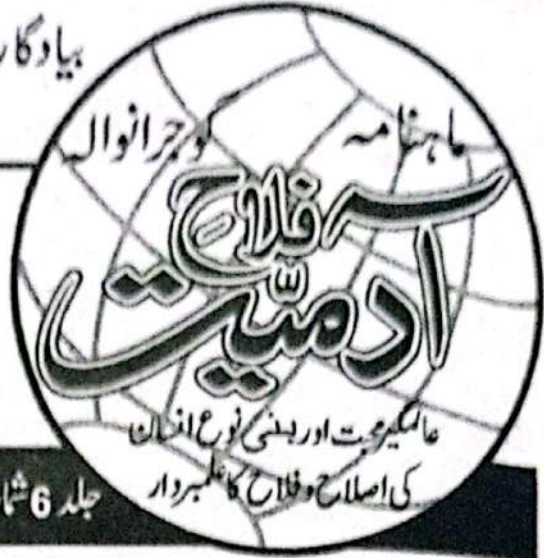
ایڈیٹر وحید احمد

مجلس ادارت

محمد مرتضیٰ توحیدی، ایم محمد اکرم، پروفیسر منیر احمد لودھی، ایم محمد طالب
ڈاکٹر عبدالرشید وقار، محمد صدیق، سید عاشق حسنین مرتضیٰ شاہ بخاری
مولانا حافظ بشیر احمد

قیمت ——— -/20 روپے   سالانہ فنڈ ——— -/200 روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:
محمد صدیق ڈار توحیدی
مرکز تعمیر ملت نزد وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
Ph:0431-862835
Mob: 0320-5793520

ایڈیٹر سے رابطہ کے لئے:
وحید احمد
تھانہ روڈ بلدیہ مارکیٹ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ
Ph:0431-881379

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراجدین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

Fax: No. +92-431-222020
E-mail: tohidia@hotmail.com

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

اداریہ

اس وقت دنیا کے ہر خطے میں مسلمان جو قربانی کرتے ہیں اور ذبح عظیم کا جو منظر پیش ہوتا ہے وہ دراصل حضرت اسمٰعیلؑ کا فدیہ ہے، قرآن میں اس عظیم قربانی کے واقعے کو پیش کر کے اس کو اسلام، ایمان اور احسان قرار دیا ہے قربانی دراصل اس عزم و یقین اور سپردگی و فدائیت کا عملی اظہار ہے کہ آدمی کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ سب خدا کا ہی ہے اور اسی کی راہ میں سب قربان ہونا چاہئے۔ یہ دراصل اس حقیقت کی علامت اور پیشکش ہے کہ اس کا اشارہ ہوگا تو ہم اپنا خون بہانے سے بھی دریغ نہ کریں گے اسی عہد و پیمان اور سپردگی و فدائیت کا نام ایمان، السلام اور احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

''پس وہ (اسمٰعیل) ان کے ساتھ دوڑ دھوپ کرنے کی عمر کو پہنچے تو ایک دن ابراہیم نے ان سے کہا پیارے بیٹے! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں غور کر واب کیا ہونا چاہئے بیٹے نے لاتعامل کہا ابا جان! آپ کو جو حکم دیا جا رہا ہے اسے کر ڈالئے انشاء اللہ آپ مجھے ثابت قدم پائیں گے آخر کو جب باپ بیٹے دونوں نے خدا کے آگے سر تسلیم خم کر دیا اور ابراہیم نے بیٹے کو منہ کے بل زمین پر گرا دیا تو ہم نے ندا دی کہ ''ابراہیم! تم نے خواب سچ کر دکھایا، ہم احسان کی روش چلنے والوں کو ایسی ہی جزاء دیتے ہیں دراصل یہ ایک کھلی ہوئی آزمائش تھی اور ہم نے ایک عظیم قربانی فدیے میں دے کر ان کو یعنی اسمٰعیل کو چھڑا لیا اور ہم نے پیچھے آنے والی امت میں ابراہیمؑ کی یہ سنت یادگار چھوڑ دی سلام ہے ابراہیمؑ پر ہم اپنے فداء کاروں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں، بلاشبہ وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے'' یوں رہتی دنیا تک امت مسلمہ میں قربانی کی عظیم الشان یادگار حضرت اسمٰعیلؑ کا فدیہ ہے خدا نے اس فدیے کے عوض اسمٰعیلؑ کی جان چھڑائی اب قیامت تک آنے والے فداکار ٹھیک اسی تاریخ کو دنیا بھر میں جانور قربان کریں اور وفاداری اور جان نثاری کے اس عظیم الشان واقعے کی یاد تازہ کرتے رہیں قربانی کی یہ بدل سنت جاری کرنے والے حضرت ابرہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ تھے اور اس کو تا قیامت جاری رکھنے والے حضرت محمد ﷺ کی امت کے فداکار ہیں۔

نبی ﷺ کو قربانی اور فداکاری کی روح پوری زندگی میں جاری و ساری رکھنے کے کی تعلیم

دیتے ہوئے یہ ہدایت کی گئی ہے۔ **قل ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین لاشریک لہ و بذا الك امرت وانا اول المسلمین** ''کہہ دیجیے کہ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت سب اللہ رب العلمین کے لئے ہے اس کا کوئی شریک نہیں مجھے اسی کا حکم ملا ہے اور میں سب سے پہلا فرماں بردار ہوں'' خدا پر پختہ ایمان اور اس کی توحید پر یقین کامل کے معنی یہ ہیں کہ آدمی کی ساری تگ و دو اسی کی رضا کے لئے مخصوص ہو اور وہ سب کچھ اس کی راہ میں قربان کر کے اپنے ایمان واسلام اور وفاداری و جاں نثاری کا ثبوت دے۔

قربانی کی اصل جگہ تو وہی ہے جہاں ہر سال لاکھوں حاجی اپنی اپنی قربانیاں پیش کرتے ہیں دراصل یہ حج کے اعمال میں سے ایک اہم عمل ہے لیکن رحیم وکریم خدا نے اس عظیم شرف سے ان لوگوں کو بھی محروم نہیں رکھا ہے جو مکے سے دور ہیں اور حج میں شریک نہیں ہیں قربانی کا حکم صرف ان لوگوں کے لئے نہیں ہے جو بیت اللہ کا حج کر رہے ہوں بلکہ یہ عام حکم ہے اور سارے ہی زی حیثیت مسلمانوں کے لئے ہے اور یہ حقیقت احادیث رسول سے ثابت ہے چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی شہادت ہے کہ نبی ﷺ دس سال تک مدینہ منورہ میں قیام پزیر رہے اور برابر ہر سال قربانی کرتے رہے اور نبی ﷺ کا ارشاد ہے ''جو شخص وسعت رکھنے کے باوجود قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے'' حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے عیدالاضحیٰ کے دن فرمایا ''جس نے عید کی نماز سے پہلے جانور ذبح کرلیا اس کو دوبارہ اپنی قربانی کرنی چاہئے اور جس نے نماز کے بعد قربانی کی اس کی قربانی پوری ہوگئی اور اس نے ٹھیک مسلمانوں کے طریقے کو پالیا''۔ ظاہر ہے کہ عیدالاضحیٰ کے دن مکہ میں کوئی ایسی نماز نہیں ہوتی جس سے پہلے قربانی کرنا سنت مسلمین کے خلاف ہو لامحالہ یہ واقعہ مدینہ منورہ کا ہے اور اسی کی شہادت حضرت عبداللہ ابن عمرؓ بھی پیش فرماتے تھے نیز عمرؓ ہی کا بیان ہے کہ نبی ﷺ عیدگاہ میں قربانی کیا کرتے تھے''

اللہ تعالیٰ قربانی کے روحانی مقاصد کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

والسلام

وحید احمد

انسانی معاشرہ عدل کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا

خواجہ عابد نظامی

عربی زبان میں العدل (عین کی کسرہ کے ساتھ) جانور کی پیٹھ پر لدے ہوئے ایک طرف کے بوجھ کو کہتے ہیں. جو دوسری طرف بوجھ کے برابر ہوتا ہے گویا عدل کے معنی ہیں مساوی اور برابر ہونا اسی لئے تنازعات میں انصاف و مساوات کی بنیاد پر فیصلہ کرنے کو عدالت کہا جاتا ہے۔

عدل و انصاف انسانی معاشرے میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے. جس طرح ریڑھ کی ہڈی کے بغیر انسان کھڑا نہیں ہو سکتا بعینہ عدل و انصاف کے بغیر انسانی معاشرہ کا قائم رہنا بھی محال ہے۔ خالق کائنات نے جس طرح اس کائنات کی بنیاد عدل و توازن پر قائم فرمائی ہے اسی طرح اس کا منشا ہے کہ اس کے بندے بھی اپنی معاشرتی' سیاسی اور معاشی زندگی اسی نظام عدل کی اساس پر استوار کریں۔ سورہ الحدید کی ایک آئیہ کریمہ سے اس حقیقت کا اظہار ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کو دنیا میں اسی غرض سے بھیجا، اور کتاب بھی اسی لئے نازل فرمائی کہ لوگ انصاف پر قائم ہوں، ارشاد ہوتا ہے۔

"ہم نے اپنے رسولوں کو صاف نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تا کہ لوگ انصاف پر قائم ہوں" (الحدید)

اللہ تعالیٰ خود بھی عادل ہے۔ اس کے اسماء الحسنیٰ میں ایک بلند نام نامی العدل بھی ہے جس کے معنی ہیں The Just یعنی انصاف کرنے والا۔ اسی طرح حدیث شریف میں **تخلقوا باخلاق** یعنی اللہ کے اوصاف و اخلاق پیدا کرو۔ گویا اللہ تعالیٰ کا منشا یہ ہے کہ اس کے بندے اس صفت عدل سے متصف ہوں خواہ وہ حاکم ہوں یا محکوم وہ عدل و انصاف کو اپنا شعار بنائیں۔

اگر ہم اس کارخانہ ہستی پر غور کریں تو معلوم ہوگا۔ کہ اس کائنات کے نظام میں عدل ہی کا اصول کارفرما ہے۔ مثلاً پانی کا کیمیائی تجربہ ثابت کرتا ہے کہ جب ہائیڈروجن کے دو سالمے آکسیجن کے ایک سالمے کے ساتھ مخصوص حالت میں نہ ملائے جائیں پانی وجود میں نہیں

آ تا۔اسی طرح ہوا ہے اس میں بھی مختلف عناصر یعنی آکسیجن نائٹروجن اور کاربن ڈائی آکسائیڈ وغیرہ میں خاص تناسب موجود ہے اگران میں ذرا سا بھی بگاڑ پیدا ہو جائے تو انسان حیوان اور نباتات سب کی زندگی ناممکن ہو جائے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ چونکہ اپنے بندوں سے بے حد پیار فرماتا ہے اس لئے اس کا منشاء یہ ہے کہ اس کے بندے انسانی معاشرہ میں عدل کو قائم رکھیں۔عدل کی ضد ظلم ہے۔جس سے انسانی معاشرے کا اطمینان غارت ہو جاتا ہے۔لہٰذا عدل کے جادہ اعتدال کا نام ہی صراط مستقیم ہے۔یہی تمام انبیاء، صدیقین شہداء اور صالحین کا راستہ ہے۔خود نبی آخرالزمان حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اعلان فرمایا جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے۔

"اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ (میں) تمہارے درمیان عدل کروں"۔

اسلام میں تمام انسان حقوق انسانی کے لحاظ سے برابر ہیں۔عدل کے معنی ہی یہ ہیں کہ ہر شخص کو اس کا ٹھیک حق ملے۔اور اگر کوئی اس کا حق غصب کرے تو وہ اپنے جرم کے مطابق اس کی سزا پائے یہی وجہ ہے کہ اسلام میں صیغہ عدل کی اہمیت بہت زیادہ ہے اسلام کا منشاء یہ ہے کہ عدل وانصاف لوگوں کو بلا قیمت اور فوری طور پر حاصل ہو اور اس کے حصول میں کسی انسان کو کوئی دقت پیش نہ آئے ایسا انصاف جس کے حصول کی خاطر عمر خضر اور خزانہ قارون درکار ہو اللہ اس کے رسول علیہ ﷺ اور اس کے دین کے مزاج ومنشاء کے بالکل برعکس ہے

۔

اسلام انصاف وعدل کی راہ میں گواہی (یعنی شہادت) کو چھپانے اور حق کے خلاف گواہی دینے کے خلاف ہے۔اگرچہ یہ گواہی اپنے والدین یا قریبی عزیزوں ہی کے خلاف کیوں نہ ہو۔سورہ النساء میں ارشاد ربانی ہے۔

"اے ایمان والو انصاف پر پختگی کے ساتھ قائم رہنے والے اور اللہ کے لئے گواہی دینے والے بنو۔چاہے وہ تمہارے والدین اور عزیزوں ہی کے خلاف ہو۔وہ امیر ہو، یا مفلس۔اللہ (بہرحال) دونوں سے زیادہ حقدار ہے۔(دیکھو) تم خواہش نفس کی پیروی نہ کرنا کہ (راہ حق سے) ہٹ جاؤ اور اگر تم کجی (اختیار) کروگے یا (حق سے) پہلو تہی کروگے تو جو کچھ تم کر

رہے ہو اللہ اس سے خوب خبردار ہے " (النساء135)

عدل کی ضد ظلم ہے اور ظلم کے باعث انسانی معاشرہ فساد اور بگاڑ کا شکار ہو جاتا ہے ایک ظلم ڈھانے والا انسان رحمت خداوندی سے کس قدر دور ہے اس کا اندازہ اس حدیث شریف سے لگایئے جس میں فرمایا گیا ہے کہ " جنت میں داخلہ اس شرط پر ہوگا کہ داخل ہونے والا ظالم نہ ہو (اور) نے انسانوں پر ظلم نہ کیا ہو " اس سے معلوم ہو کہ اس عدل وانصاف کے بغیر انسان کیلئے نجات اخروی اور رحمت خداوندی کا حصول ممکن نہیں اس کی تائید قرآن حکیم کی اس آیہ کریمہ سے بھی ہوتی ہے (فرمایا)

" یقیناً ظلم کرنے والے فلاح نہیں پائیں گے "

ممکن ہے یہاں کسی ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ جب عدل وانصاف کی اس قدر اہمیت ہے تو پھر ظالم کو دنیا میں اس کے ظلم کی سزا فوراً کیوں نہیں ملتی تو بات یہ کہ اللہ تعالیٰ تو کسی کے بھی عمل سے غافل نہیں ہے لیکن دنیا میں اس کا قانون مہلت بھی کام کر رہا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا کہ :۔

" اور (تم یہ) گمان نہ کرو کہ اللہ ظالموں کے عمل سے غافل ہے وہ تو انہیں ڈھیل دے رہا ہے اس (سخت) دن تک جس میں نظریں پتھرا جائیں گی "۔

عدل اسلامی معاشرے کی مجموعی ذمہ داری ہے ۔ قرآن حکیم میں اللہ تبارک تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :۔

" اس نے یعنی اللہ تعالی نے اس کائنات میں توازن قائم کر رکھا ہے تاکہ تم اس سے تجاوز نہ کرسکو اس لئے عدل کے ذریعے میزان میں وزن پیدا کرو اور اس میں کمی اور بگاڑ پیدا نہ کرو "۔

اسلامی معاشرے میں جب کوئی فرد ظلم وناانصافی کا مرتکب ہو رہا ہو تو کسی شخص کو اس کی اجازت نہیں کہ وہ خاموش تماشائی کی حیثیت سے غیر جانبداری کا مظاہرہ کرے محض اس وجہ سے کہ وہ ذاتی طور پر اس سے متاثر نہیں ہو رہا اس لئے کہ ظلم وناانصافی کا سلسلہ جس معاشرے میں بھی ہوگا اس میں کسی وقت بھی کوئی فرد اس کا شکار ہوسکتا ہے قرآن حکیم میں ہے کہ یہ

حج کی کیفیت کا بیان

امام ابو حامد الغزالیؒ

اول سے آخر تک حج کے ارکان کی ترتیب وار کیفیت جاننا بہت ضروری ہے۔ مسنون طریقہ کے مطابق وبک اعتصمت و الیہ توجہت اللھمہ زودنی التقویٰ واغفرلی ذنبی وو جھنی للخیر اینما توجہت اور جب سواری پر سوار ہو تو یہ دعا پڑھے، بسم اللہ و باللہ و اللہ اکبر سبحان الذی سخرلنا ھذا وما کنا لہ مقرنین وانا الیٰ ربنا لمنقلبون اور راستہ میں تلاوت کلام مجید اور ذکر الٰہی میں مشغول رہے جب بلندی والی جگہ آئے تو یہ پڑھے۔ اللھمہ لک الشرف علیٰ کل شرف ولک الحمد علیٰ کل حال اگر راستے میں خوف آئے تو آیت الکرسی شھداللہ انہ لا الہ الا ھو والملائکۃ و اولوا العلم قائماً بالقسط لاالہ لاھو العزیز الحکیم (آل عمران) اور سورۃ اخلاص، سورۃ فلق اور سورۃ ناس پڑھ لے۔

احرام باندھنے اور مکہ معظّمہ میں داخل ہونے کے آداب

جب میقات پر پہنچے اور قافلہ وہاں احرام باندھنے کی تیاری کرے تو سب سے پہلے غسل کرے بال اور ناخن کٹوائے جیسا کہ عام طور پر جمعہ کے دن کیا جاتا ہے اور سلے ہوئے کپڑے اتار کر سفید چادر اور تہہ بند باندھ لے اور احرام سے پہلے خوشبو استعمال کرے اور جب چلنے لگے تو اونٹ کو کھڑا کرے اور حج کی نیت کر کے دل اور زبان سے یہ کلمات ادا کرے لبیک اللھمہ لبیک لاشریک لک لبیک ان الحمد و النعمۃ لک والملک لا شریک لک جہاں کہیں چڑھائی یا نشیب ہو بکثرت قافلے اکٹھے ہوں تو ان ہی کلمات کو باالفاظ بلند کہے اور جب کعبہ شریف کے قریب پہنچے تو غسل کرے نو اسباب ایسے ہیں جن کی وجہ سے حج میں غسل سنت ہے۔ (۱) احرام (۲) دخول مکہ (۳) طواف زیارت (۴) وقوف عرفات (۵) مقام مزدلفہ (۶، ۷، ۸) اور تین غسل پتھر پھینکنے کے واسطے تینوں جمرات پر اور (۹) طواف وداع، البتہ جمرۃ العقبہ میں پتھر مارنے کے لئے غسل نہیں جب غسل کر کے مکہ معظّمہ میں جائے اور بیت اللہ پر نگاہ پڑے تو اگر چہ شہر میں ہو مگر یہ کلمات فوراً کہے۔ لا الہ الااللہ واللہ اکبر اللھمہ انت

السلام و منک السلام ودارک دار السلام تبارکت یا ذوالجلال والاکرام اللھمہ ھذا بیتک عظمتک عظمتہ و شرفتہ و کرمتہ اللھم فذد ہ تعظیماً وزدہ تشریفاً وتکریماً وزدہ مھابۃ وزدہ من حجہ براو کرامتہ اللھم افتح لی ابواب رحمتک و ادخلنی جنتک و اعذنی من الشیطین الرجیم پھر بنی شیبہ کے دروازہ سے مسجد میں داخل ہو اور حجر اسود کو بوسہ دینے کا قصد کرے اگر رش کے سبب سے بوسہ نہ دے سکے تو اس کی طرف ہاتھ بڑھا کر یہ کلمات ادا کرے اللھمہ امانتی او یتھا و میثاقی تعا ھدتہ اشھد لی بالموافات اور پھر طواف میں مشغول ہو جائے

طواف کے آداب

طواف نماز کی مانند ہے بدن اور لباس کی پاکی اور ستر کا ڈھانپنا اس میں شرط ہے تاہم اس میں بات کرنا درست ہے۔ سب سے پہلے اصطباغ کی سنت ادا کرے اس کا مطلب یہ ہے کہ تہہ بند کا درمیانی حصہ داہنے ہاتھ کے نیچے ڈال کر اس کے دونوں کنارے بائیں کندھے پر ڈال لے اور بیت اللہ شریف کو پہلو میں لے کر حجر اسود کا طواف شروع کرے اس میں اور بیت اللہ میں تین قدم سے کم فاصلہ نہ رہنا چاہیے تاکہ پاؤں فرش اور پردہ پر نہ پڑے کیونکہ وہ خانہ کعبہ کی حد میں شامل ہے اور جب طواف شروع کرے تو یہ دعا پڑھے اللھم ایماناًو تصدیقاً بکتا بک ووفاء بعھدک و اتباعاًلسنتھہ نبیک محمد صلی اللہ تعالی علیہ و اصحابہ وسلم اور جب خانہ کعبہ کے دروازے پر پہنچے تو یہ دعا پڑھے اللھم ھذا البیت بیتک وھذاالحرم مک و ھذا الامن امنکم ھذا مقام العائذ بک من النار اور رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان یہ دعا پڑھے اللھم ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الآخرۃ حسنۃ وقنا برحمتک عذاب القبر وعذاب النار اسی طرح سات بار طواف کرے اور ہر بار اسی طرح یہ دعائیں پڑھے ہر چکر کو شوط کہتے ہیں۔ تین شوط میں جلدی اور آرام کے ساتھ چلے۔ اگر خانہ کعبہ کے پاس اژدہام ہو تو دور سے ہی طواف کرے تاکہ جلد جلد چل سکے۔ اور اخیر کے چار چکروں میں آہستہ آہستہ چلے اور ہر بار حجر اسود کو بوسہ دے اور رکن یمانی پر ہاتھ پھیرے اور بھیڑ کے سبب اگر ہاتھ نہ پھیر سکے تو محض اشارہ کرے

روحِ اجتماع اور جذبہ تعاون

(مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی)

سبق آموز تمثیلی حکایت

بچوں کی کتاب میں یہ حکایت آپ نے پڑھی ہوگی کہ کسی گاؤں میں آگ لگ گئی۔ لوگوں نے اِسے بجھانے کی بڑی کوشش کی لیکن آگ بڑھتی ہی گئی۔ آخر سب کو اِسی میں خیر نظر آئی کہ بستی چھوڑ کر جلد سے جلد بھاگ جائیں۔ پہلے عورتوں بچوں کو روانہ کیا پھر جو ضروری اثاثہ اِس عجلت میں لے جاسکتے تھے لے گئے۔ اِس افراتفری میں دو شخص رہ گئے۔ ایک نابینا تھا اور دوسرا لنجا، نابینا راستہ نہیں دیکھ سکتا تھا اور لنجا چل نہیں سکتا تھا۔ ایک آنکھوں سے معذور تھا اور دوسرا پیروں سے، ساری بستی اپنی جان بچانے کے لئے بھاگ گئی۔ لیکن یہ دونوں معذور و مجبور فریاد کرتے رہ گئے۔ جب اپنی جان خطرے میں ہو تو دوسروں کی جان بچانے کی فکر کون کرتا ہے؟ آگ بڑھتی جارہی تھی اور قریب تھا کہ یہ دونوں معذور بھی اِس کی لپیٹ میں آجائیں۔ یکایک نابینا کو ایک تدبیر سوجھی وہ ٹٹولتا ہوا لنجے کے پاس آیا اور اُس سے کہا کہ تم میری پیٹھ پر سوار ہو جاؤ۔ نابینا بیٹھ گیا اور لنجے کو سہارا دے کر اپنے کاندھوں پر سوار کرلیا اور لٹھیا کے سہارے کھڑا ہو گیا اور لنجے سے کہا کہ اب تم راستہ بتاتے جاؤ۔ اِس طرح دونوں صحیح سلامت بستی سے باہر آگئے اور آگ کی لپیٹ سے محفوظ ہو گئے۔

روح اجتماع کی اِس سے بہتر مثال شاید ہی کوئی اور مل سکے۔ اِس چھوٹے سے قصے میں اجتماعیت کے بے شمار پہلو سمٹ کر آگئے ہیں۔ نابینا اور لنجا الگ الگ شخصیت ہونے کی صورت میں جان کے خطرے سے دوچار تھے لیکن جب لنجا نابینا کے کاندھوں پر سوار ہو گیا اور دونوں ایک شخصیت بن گئے تو دونوں کی جداگانہ صلاحیتیں ایک دوسرے کے کام آگئیں۔ لنجا چل نہیں سکتا تھا لیکن دیکھ سکتا تھا، نابینا دیکھ نہیں سکتا تھا لیکن چل سکتا تھا۔ جب لنجا نابینا کی آنکھیں بن کر دیکھنے لگا اور نابینا لنجے کے پاؤں بن کر محفوظ راستے پر چلنے لگا۔ نابینا کی چلنے کی صلاحیت لنجے کی آنکھوں کے بغیر بے کار تھی اور لنجے کی بینائی نابینا کے پیروں کے بغیر بے مصرف علیحدہ علیحدہ دونوں صلاحیتیں

بے نتیجہ تھیں لیکن جب دونوں متحد ہو گئے تو قدرتی طور پر دونوں کی جدا گانہ صلاحیتیں ایک دوسرے کے کام آ گئیں۔ الگ الگ رہنے کی صورت میں کسی کی جان نہ بچ سکتی تھی۔ لیکن باہم مل کر دونوں نے اپنی جانیں بچا لیں۔ یہ ہے اجتماعیت کی ایک عمدہ تمثیل۔

اگر ہم اپنی پوری قوم کو اسی عینک سے دیکھیں تو صاف نظر آ جائے گا اِس کی بقا اجتماعیت کی روح کو اپنانے میں اور بربادی انفرادیت میں ہے۔ وہ کونسی بڑی سے بڑی صلاحیت ہے جو ہماری قوم کے افراد میں موجود نہیں؟ لیکن جو کچھ اب تک ہوتا رہا وہ ہم آپ دیکھتے رہے ہیں۔ اعلیٰ سے اعلیٰ دماغ رکھنے والے لیڈروں کی ساری توانائیاں تعمیر کی بجائے تخریب میں صرف ہوتی رہیں۔ ہر صاحب فکر نے اپنی قوتیں صرف اپنے آپ کو بنانے اور دوسروں کو بگاڑنے میں صرف کیں اگر ان کے دماغ اور اِن کی توانائیاں اجتماعیت کی روح سے کچھ بھی آشنا ہوتیں اور متحد ہو کر کام کرتیں تو ہمارے قومی و ملکی مسائل کب کے حل ہو چکے ہوتے لیکن فرقی تعصبات اور جماعتی اختلافات تمام انفرادی صلاحیتوں اور توانائیوں کو ضائع کرتے رہے۔ ہر ایک کی نظر میں قومی خدمت سے مقصود صرف اپنی خدمت تھی۔ فراخ دلی کی جگہ تنگ نظری کام کر رہی تھی۔ رواداری کی بجائے تعصب کارفرما تھا۔ نہ اپنی صلاحیتوں سے دوسروں کو نفع پہنچایا، نہ دوسروں کی توانائیوں سے خود فائدہ اُٹھایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سبھی کو ایک آگ کی لپیٹ میں آنا پڑا۔

قرآن نے اجتماعی وابستگی پر بار ہا زور دیا ہے اور تفریق اجتماع سے بار بار روکا ہے۔ ایک جگہ تو بہت واضح لفظوں میں ایجابی و سلبی دونوں پہلوؤں کو یوں بیان فرمایا ہے کہ۔

واعتصموا بحبل الله جميعا و لا تفرقوا۔

اللہ کی رسی کو اجتماعی روح کے ساتھ مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ نہ پیدا کرو۔

اجتماعیت کی ایک مثال!

یہاں جمیعاً کے معنی ''تم سب کے سب'' نہیں۔ اِس کیلئے عربی میں عموماً اجمعین کا لفظ آتا ہے۔ یہاں جمیعاً سے مقصد یہ ہے کہ اجتماعی اسپرٹ کے ساتھ اللہ کی رسی سے چمٹ جانا۔ اجتماعی اسپرٹ کی مثال یوں سمجھئے کہ اگر ایک گھڑی کے تمام پرزوں کو اکٹھا کر کے ایک رومال میں باندھ

لیجئے اور کلاک میں رکھ لیجئے تو گھڑی نہیں چلے گی۔ گھڑی اسی وقت چلے گی جب اُس کے تمام پرزے ایک مربوط اور منظم شکل میں باہم پیوستہ ہوں اور اِن کے اندر اِس نظم وضبط کے ساتھ ایسی ہم آہنگی ہو کہ ہر پرزہ ایک ہی مقصد کیلئے حرکت کر رہا ہو۔ بظاہر کوئی پرزہ جانب راست سے جانب چپ گردش کر رہا ہو گا اور کوئی بائیں سے دائیں گھوم رہا ہو گا اور کوئی دونوں سمتوں میں حرکت کر رہا ہو گا اور کوئی بالکل ساکن بھی ہو گا لیکن سب کا مقصد ایک ہی ہے اور وہ ہے صحیح رفتار اور ٹھیک وقت بتانا۔ نظم وضبط اور ہم آہنگی کی یہی روح ہے جسے لفظ جمعیا سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اِس بھیڑ کو یک جا کرنا مقصود نہیں کیونکہ پرزوں کی بے ربط یک جائی سے گھڑی نہیں چلتی۔

ہمارے معاشرے کی اعلیٰ صلاحیتیں۔

اِس وقت ہمارے اندر اگرچہ ایسے افراد نہیں جو تمام صلاحیتوں کے تنہا مالک ہوں لیکن جداگانہ طور پر اعلیٰ سے اعلیٰ صلاحیت کے مالک موجود ہیں۔ علوم، فنون، افکار، تنظیم، امامت (لیڈر شپ) دیانت، امانت، اخلاق، تقویٰ، سیاست وغیرہ کی وہ کونسی صلاحیت ہے جو آج ہمارے مختلف افراد میں موجود نہیں؟ لیکن ہوتا یہ رہا کہ جس کے پاس جو صلاحیت ہوئی وہ اُسی کو "کل"، سمجھ کر بیٹھ گیا اور اِس بناء پر اپنی ایک جداگانہ پارٹی بنا کر دوسری صلاحیتیں رکھنے والوں سے بے نیاز ہو گیا۔ نہ فقط بے نیاز ہو گیا بلکہ اِن صلاحیتوں کو اپنی پارٹی میں کوئی مقام ہی نہ حاصل کرنے دیا۔ بلکہ اِس سے بھی آگے اِن صلاحیتوں کی ضرورت واہمیت سے بھی منکر ہو گیا۔ اگر کسی میں بڑی اچھی تنظیمی صلاحیت ہوئی تو اُس نے اس صلاحیت کی اساس پر ایک فرقہ بنالیا اور سمجھ بیٹھا کہ اگر عسکری تنظیم حاصل ہو گئی تو سب کچھ حاصل ہو گیا۔ اب نہ علوم وفنون کی ضرورت ہے نہ سیاست میں کسی کی امامت تسلیم کرنے کی حاجت، یہی حال اہل علم کا ہوا۔ اُنہوں نے فقہی مسائل کا کچھ مطالعہ کر لیا تو اس ہلدی کی ایک گانٹھ کر لے کر روائتی چوہیا کی طرح عطاء کی دکان کھول لی اور ہر فن میں اپنی بے شرکت غیرے امامت وامارت کا سکہ بٹھانا شروع کر دیا۔ اگر کوئی سیاست کے میدان میں حسن اتفاق سے کامیاب ہو گیا تو پارٹی لیڈر شپ کی الگ دنیا بسالی اور یہ سمجھ بیٹھا کہ اِسی کامیابی میں دنیا وآخرت کی ساری نعمتیں سمٹ کر آ گئیں۔ اور اِس سے آگے کوئی چیز

نگاہ نہ ہونے کی وجہ سے ہم آہنگی بھی نہیں۔ یہ مذہبی راہنما مختلف طبقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ ہم ان کا الگ الگ ذکر کریں گے۔

سب سے پہلے ہمارا وہ مذہبی طبقہ آتا ہے جن کو ہم حضرات "علماء" کہتے ہیں۔ ان میں کچھ مدرسین ہیں، کچھ مفتین، کچھ واعظین و مبلغین ہیں اور کچھ آئمہ مساجد۔ پھر ان میں سے ہر ایک مسلمانوں کے کسی نہ کسی مدرسہ فکر سے وابستہ ہے۔ جو جس مکتب سے وابستہ ہے اس سے ایسی عقیدت رکھتا ہے کہ اپنے فرقے کے سوا کسی اور کو قابل اعتنا نہیں سمجھتا اور بعض مواقع پر اپنے ہم خیالوں کے سوا کسی دوسرے کو مسلمان بھی نہیں تصور کرتا۔ ظاہر ہے کہ جب عصبیت اس حد تک شدت اختیار کر لے تو اتنی فراخ دلی کہاں سے آ سکتی ہے کہ دوسرے سے ہم آہنگی پیدا ہو؟ بظاہر سب کا نصب العین ایک ہے۔ زبان سے سب کلمہ لا الہ الا اللہ کہہ کر وحدت نصب العین کا اقرار کرتے ہیں۔ لیکن کسی غیر نصب العینی اختلاف کو اصل نصب العین پر قربان کرنے یا اصل کی خاطر فروع کو دبا دینے کا جذبہ نہیں رکھتے۔

علماء

اس پورے مذہبی طبقے میں ایک بڑی خامی یہ ہے کہ یہ صرف چند فقہی مسائل ہی کو علم سمجھتے ہیں اور جو کچھ سوچتے ہیں تمام دوسرے علوم سے الگ ہو کر سوچتے ہیں۔ ان کا جمود کسی مسئلہ زندگی پر آزادانہ غور و فکر کی اجازت نہیں دیتا۔ یوں تو ہمیشہ دعویٰ یہی کیا جاتا ہے کہ ''دین'' ساری زندگی کے مسائل پر حاوی ہے لیکن زندگی سے تعلق رکھنے والے سارے علوم سے ناواقف ہونے کے باجود کہے جاتے ہیں'' عالم دین'' حیاتیات، عمرانیات سیاسیات، طبیات، طبقات الارض، نباتات، فضائیات، طبیعات اور بے شمار سائنسی علوم وفنون کی ابجد سے بھی یہ واقف نہیں ہوتے حالانکہ زندگی سے ان تمام علوم کا گہرا تعلق ہے۔ یہ حضرات زیادہ سے زیادہ حنفی یا غیر فقہ حنفی کے عالم ہوتے ہیں یا حدیث کے یا تفسیر کے یا لغت وغیرہ کے۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی طبیعات کا عالم ہو یا فضائیات کا یا کسی اور علم کا۔ عالم دین بہر حال کوئی بھی نہیں ہوتا۔ بس یہ کسی دینی جز کے عالم ہو سکتے ہیں جس طرح طب کے ماہر کو طبیب اور سائنس کے عالم کو سائنٹسٹ کہتے ہیں اسی طرح ان حضرات کو لغوی، محدث، مفسر، فقیہہ منطقی، فلسفی، متکلم، صرفی، نحوی وغیرہ کہہ سکتے ہیں لیکن عالم دین یہ بہر حال نہیں ہو سکتے۔ دین میں صرف طہارت اور روزے نماز کے مسائل ہی نہیں

شراب اور جوا

صدالدین

پیغمبر اسلام صلعم نے انسانیت کی بہبود کی خاطر شراب اور جوا دونوں کو نہایت ضرر رساں سمجھ کر ممنوع قرار دیا ہے۔ اہل عرب جو شراب اور جوا کھیلنے کے عادی تھے۔ وہ حضور ﷺ کی تلقین سے ان دونوں قبیح عادات سے باز آ گئے۔ تاریخ میں لکھا ہے کہ جس دن حضور ﷺ نے شراب کو حرام قرار دیا۔ اس دن لوگوں نے تمام قسم کے وہ برتن جن میں شراب رکھی جاتی تھی توڑ ڈالے اور شراب مدینہ کی گلیوں میں بہتی ہوئی نظر آئی اس طرح حضور صلعم کے حکم سے لوگوں نے جوا کھیلنا ترک کر دیا یہ دونوں قبیح اور ضرر رساں عادات اکثر قوموں میں پائی جاتی ہیں اور یورپ کا قدم ان مشاغل میں سب سے آگے ہے لوگ گلیوں میں اور جہاز کے عرشہ پر جوا کھیلتے اور شراب پیتے نظر آتے ہیں اب تو یورپ کے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں بھی شراب پینے لگ گئے ہیں۔ عریانی ہو ڈانس ہو اور شراب ہو تو اس کا نتیجہ سوائے بدکاری کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ ان حالات کو دیکھ کر یورپ کے پادری چیخ رہے ہیں وہ اپنی قوم کو متوجہ کر رہے ہیں کہ وہ لڑکیوں کو شراب پینے اور بے حیائی اختیار کرنے سے روکیں۔

پولیس اور مجسٹریٹ بھی اپنی قوم کو آگاہ کر رہے ہیں کہ نوجوان لڑکیاں شراب پینے کی رو میں بہہ رہی ہیں جس کا نتیجہ بڑھتی ہوئی بدکاری ہے اس کی وجہ سے بکثرت ناکتخدا لڑکیاں حاملہ پائی جاتی ہیں۔ ان حالات کو دیکھ کر اس قوم کے خیر خواہ دھائی دیتے ہیں کہ خدارا اس ننگ و عار اور بے راہ روی سے قوم کو بچاؤ اسی طرح جوا قوم کے افراد کو بے خانماں کر رہا ہے۔ جوا کھیلنے والے کے ہاتھ میں تھوڑے وقت میں اتنا مال آ جاتا ہے جو وہ مہینوں کی محنت سے بھی نہیں کما سکتا اس لئے وہ اس کے چسکا سے سرشار رہنے لگتا ہے اور اس طرح اپنے قویٰ کو بیکار بنا دیتا ہے۔ اس میں کام کرنے کی رغبت نہیں رہتی ہے۔ مگر جس طرح وہ تھوڑے وقت میں دولت حاصل کر لیتا ہے اسی طرح وہ سب کچھ جوئے کی نذر کر بیٹھا ہے۔ پھر سوائے ذلت و خواری کی زندگی کے اس کے نزدیک کچھ نہیں رہتا شراب اور جوئے کی نذر کر بیٹھتا ہے۔ پھر سوائے ذلت و خواری کی زندگی کے اس کے نزدیک کچھ نہیں رہتا شراب اور جوئے کے بدنتائج لوگوں کے سامنے آتے رہتے ہیں پھر بھی لوگ اس قسم کے رسوا کن طرز زندگی سے اجتناب نہیں کرتے بلکہ بعض لوگ اس کو

فروغ دینا ذریعہ روزی بنا لیتے ہیں بعض لوگ مغربی ممالک کے کلبوں کو اس قبیح کام کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ وہ درمیانہ طبقہ کی حسین و جمیل لڑکیوں کو ملازم رکھ لیتے ہیں ان کو نہایت قیمتی زیور اور ملبوسات سے آراستہ کر کے کلب کی ممبر بنا دیتے ہیں۔ یہ لڑکیاں جو شاندار لباس اور قیمتی زیورات سے آراستہ ہوتی ہیں کلب میں آنے جانے والے امراء کیلئے باعث کشش ہوتی ہیں۔ یہ امراء سے تعلق پیدا کر لیتی ہیں پھر انکو اس جگہ لے جاتی ہیں جہاں جوئے کا بازار گرم ہوتا ہے۔ اس طرح ان کا روپیہ ان کے ہاتھ سے جاتا رہتا ہے۔ یہ لڑکیاں ہر شب اپنے زیورات اور اپنا لباس مالک کے سپرد کر کے اپنے اپنے گھروں کو چلی جاتی ہیں اور ہر صبح پھر یہ لباس و زیورات زیب تن کر کے اپنے کاروبار میں مصروف ہو جاتی ہیں۔ کچھ کلب تو وہ ہیں۔ جو جوئے کو فروغ دیتے ہیں اور کچھ شبینہ کلب ہیں۔ جن میں عریانی اور زیبائش اور شراب مللکر حیوانی خواہشات کو مشتعل کرتے ہیں اس کے نتائج بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ چونکہ جوئے اور شراب کے باعث لوگوں کی دولت اور عصمت لٹتی ہے اس لئے جوئے اور شراب کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام قرار دیا ہے ظاہر ہے کہ یہ نسل انسانی کی اہم خدمت ہے جو حضور نے انجام دی ہے۔ قرآن کریم میں شراب کو الخمر اور جوئے کو المیسر کہا گیا ہے الخمر خمار سے ہے اور خمار اوڑھنی کو کہتے ہیں الخمر کو اس لئے خمر کہتے ہیں کہ یہ عقل پر پردہ ڈال دیتا ہے۔ نتیجتاً نہ زبان قابو میں رہتی ہے اور نہ ہی دوسرے قوئ انسان پورا پورا حیوان یا پورا پورا شیطان بن جاتا ہے۔ جوئے کے لئے دوسرا لفظ المیسر ہے جس کے معنی آسان ہے۔ جوا کھیلنے والے کو محنت و مشقت کئے بغیر نہایت آسانی سے روپیہ ہاتھ آ جاتا ہے۔

اس وجہ سے جوا کھیلنے والے کیلئے اس کھیل میں غیر معمولی دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے اور اس کا چسکا بڑھتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ انسان اپنے قوئ کو معطل کر دیتا ہے۔ اس نقصان کے علاوہ پھر جوا کھیلنے والے پر وہ وقت بھی آتا ہے جب وہ اپنے تئیں خواری و ذلت کی زندگی کے سپرد کر دیتا ہے چونکہ شراب اور جوا دونوں انسانیت کے لئے نہایت درجہ نقصان زدہ ہیں اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو حرام قرار دیا تا کہ انسانیت کی عزت محفوظ رہے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو پیغمبر اسلام صلعم کی ایسی معقول و مفید اور محافظ ننگ و ناموس تعلیمات کو اختیار کرتے ہیں۔

۴۔ باہلی سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ جب ملک شام میں مقام جابیہ پر پہنچے آپ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے اور آپ نے فرمایا! قرآن شریف سیکھو، اس کے ذریعہ معرفت حاصل کرو اور اسکا ہر عمل کرو، تم قرآن والے ہو جاؤ گے۔ کسی حق والے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اللہ کی معصیت کر کے اس کی اطاعت کی جائے۔ اور تمہیں واضح ہونا چاہئے کہ حق بات کہنا اور اللہ کی یاد دلانا موت سے۔ یہ بات قریب کرتی ہے اور نہ اللہ کے رزق سے بعید اور تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ بندے اور اس کے رزق کے درمیان ایک پردہ حائل ہے، اگر صبر کرتا ہے تو اس کے پاس اس کا رزق آتا ہے اور اگر وہ کوشش کر کے پردہ دری کرتا ہے (یعنی حرام طریقہ سے رزق حاصل کرتا ہے) تو اپنے رزق سے زیادہ جب بھی نہیں حاصل کر سکتا۔ گھوڑوں کو سکھاؤ، اور تیر اندازی سیکھو اور جوتی پہنو، مسواک کرو اور معد بن عدنان جیسی زندگی اختیار کرو اور اسی پر چلو (یعنی معمولی اور سادہ زندگی بسر کرو) اور اپنے آپ کو عجمیوں کے اخلاق سے اور سرکش لوگوں کی صحبت سے بچاؤ اور اس بات سے بچاؤ کہ تمہارے درمیان صلیب بلند کی جائے اور اس بات سے بچاؤ کہ تم ایسے دستر خوان پر بیٹھو جس پر شراب نوشی کی جائے اور اس سے کہ تم حمام میں بغیر تہہ بند کے داخل ہو اور اس سے کہ تم اپنی عورتوں کو چھوڑ دو کہ وہ حمام میں داخل ہوں، بے شک یہ باتیں حلال نہیں ہیں اور تم اپنے آپ کو اس بات سے بچاؤ کہ جب عجمیوں کے شہر میں اترو اور جب تک تمہیں ان کے شہروں میں ٹھرنا ہو تو تم ان کے طریقہ پر کسب کرو۔ پس تحقیق کہ یہ قریب ہے کہ جب تمہیں اپنے شہر کی طرف واپس جانا ہو اور تم اپنے آپ کو چھوٹے گناہوں سے بچاؤ کہ تم انہیں اپنی گردنوں پر لاد دو اور تم عرب کے مال کو اختیار کرو۔ یعنی جانوروں کو کہ کہاں تم ٹھہرو گے انہیں اور تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ شربت تین چیزوں سے بنایا جا رہا ہے، کشمش سے، شہد سے، کھجور سے۔ جو ان میں سے سڑ جائے وہ شراب ہے۔ حلال نہیں، اور تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ پاک تین قسم کے لوگوں کو پاک نہیں کرے گا، نہ ان کی طرف دیکھے گا نہ بروز قیامت ان کو اپنے قریب کرے گا، اور ایسے لوگوں سے لئے دردناک عذاب

ہوگا۔ ایک وہ شخص ہے جس نے اپنے امام سے بیعت کی اس بیعت سے اس کا ارادہ دنیا کا ہے۔ اگر دنیا اسے حاصل ہوگئی تو امام المسلمین کے ساتھ وفا کرتا ہے اور اگر اسے حاصل نہ ہوئی تو وفا نہیں کرتا۔ دوسرے وہ آدمی ہے جو عصر کے بعد سامان لے کر نکلا اور اللہ کی قسم کھا کر اس نے کہا کہ مجھے اس مال کی اتنی اتنی رقم دی جارہی تھی اور اس کے اتنا کہنے پر لوگوں نے اسے خرید لیا اور مومن کو برا کہنا فسق ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے اور تمہارے لئے یہ حلال نہیں کہ تم اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے رکھو (تیسرا) وہ آدمی ہے کہ جو شخص کسی جادوگر یا کاہن یا نجومی وغیرہ کے پاس آیا اور اس کے کہنے کی تصدیق کی تو اس تصدیق کرنے والے نے اس چیز کا انکار کر دیا ہے جو حضور محمد ﷺ پر اتری ہے۔

۵۔ موسیٰ بن عقبہؒ نے بیان کیا کہ بروز جابیہ حضرت عمرؓ کا خطبہ یہ تھا، اما بعد! میں تم کو ایسے اللہ سے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں جو باقی رہے گا اور اس کے ماسویٰ ہر چیز فنا ہو جائے گی۔ ایسا اللہ کہ اس کی اطاعت کرنے سے اس کے اولیا کا اکرام کیا جاتا ہے اور اس کی نافرمانی کرنے سے اس کے دشمن گمراہ ہوجاتے ہیں۔ اس ہلاک ہونے والے کیلئے جو ہلاک ہوگیا اس کے گمراہ فعل میں کوئی عذر نہیں جس کو اس نے ہدایت سمجھا تھا۔ اور اس کے لئے حق چھوڑنے میں کوئی عذر کی جگہ نہیں جس حق کو اس نے گمراہی سمجھا تھا اور رعایا اور راعی کے معاملے میں بڑی حق بات یہ ہے کہ اس رعایا کی خبر گیری اس چیز کے ساتھ کرے جو اللہ نے اس پر عاید کی ہے یعنی رعایا کے دین کے احکامات سے۔ ایسا دین کہ اللہ پاک نے لوگوں کو اس کی ہدایت دی ہے اور ہمارے اوپر یہ ضروری ہے کہ ہم تم کو اسی چیز کا حکم دیں کہ تم کو اللہ پاک نے منع کیا ہے معصیت سے اور یہ کہ ہم تمہارے ہر قریب اور بعید میں اللہ کے امر کو قائم کریں اور اس شخص کی کوئی پرواہ نہ کریں جو حق سے ہٹ گیا ہے اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ کچھ لوگ اپنے دین کو اختیار کرنے میں احسان جتاتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ ہم غازیوں کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور مجاہدین کے ساتھ جہاد کرتے ہیں اور ہم ہجرت کرنیوالوں کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں اور یہ سب کام ایسی قومیں کرتی ہیں جو ان

اس کو تسکین نہ مل سکی اور مروجہ عیسائی مذہب سے غیر مطمئن ہو کر وہ معاشی و سیاسی فلسفوں
میں گم ہو گیا۔ اس طلب کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کی فطرت میں ایک خالق و مالک کا شعور
پیدائشی طور پر پیوسط ہے۔۔۔۔۔ خدا میرا خالق ہے اور میں اس کا بندہ ہوں۔۔۔۔
ایک خاموش عہد ہے جو ہر شخص اول روز سے اپنے ساتھ لے کر اس دنیا میں آتا ہے۔ ایک
پیدا کرنے والے آقا اور محسن کا تصور غیر محسوس طور پر اس کی رگوں میں دوڑتا رہتا ہے۔
روز الست کے اس میثاق کا مطالعہ ہے جو اس کے وجدان اور تحت الشعور میں محفوظ ہے۔ اور
اللہ نے جو آدم اور اس کی ذریت سے روز اول کو لیا تھا سورۃ الاعراف آیت ۱۷۴-۹ تمام
ادیان سماویا کا بنیادی پتھر یہی ہے کہ انسان خدا کی ہستی اور ربوبیت عامہ پر اعتقاد رکھے
عقل سلیم اور وحی و الہام اس اجمال کی شرح کرتے ہیں۔ پس ضروری تھا کہ یہ تخم ہدایت
جیسے کل آسمانی تعلیمات کا مبداء و منتہی اور تمام ہدایت ربانیہ کا وجود مجمل کہنا چاہئے۔ عام
فیاضی کے ساتھ نوع انسانی کے تمام افراد میں بکھیر دیا جائے تاکہ ہر آدمی عقل و فہم اور وحی
الہام سے اس تخم کو شجرہ ایمان و توحید کے درجہ تک پہنچا سکے۔ اگر قدرت کی طرف سے
قلوب بنی آدم میں ابتدائیہ تخم ریزی نہ ہوتی اور اس سب سے زیادہ اساسی و جوہری عقدہ کا
حل عقل کے سپرد کر دیا جاتا تو یقیناً یہ مسئلہ بھی منطقی استدلال کی بھول بھلیوں میں پھنس کر
ایک نظری مسئلہ بن جاتا۔ اس لئے جہاں قدرت نے غور و فکر کی قوت ودیعت فرمائی وہیں
اس اساسی عقیدے کی تعلیم سے بھی ان کو فطرتاً بہرہ ور کیا۔ یہ اس کی ازلی و خدائی تعلیم کا اثر
ہے کہ آدم کی اولاد قرن اور ہر گوشہ میں حق تعالی کی ربوبیت عامہ کے عقیدے پر کسی نہ کسی
حد تک متفق رہی ہے اور چند افراد نے کسی عقل و روحی بیماری کی وجہ سے اس عام فطری
احساس کے خلاف آواز بلند کی ہے۔ یہ معاملہ تخلیق آدم کے موقعہ پر پیش آیا اس وقت جس
طرح فرشتوں کو جمع کر کے انسان اول کو سجدہ کرایا گیا تھا اور زمین پر انسان کی خلافت کا
اعلان کیا گیا تھا اسی طرح پوری نسل آدم کو بھی جو قیامت تک پیدا ہونے والی تھی اللہ تعالیٰ
نے بیک وقت وجود اور شعور بخش کر اپنے سامنے حاضر کیا تھا اور ان سے اپنی ربوبیت کی
شہادت لی تھی۔ حضرت ابی ابن کعب فرماتے ہیں۔۔ اللہ نے سب کو جمع کیا اور لوگوں

الگ الگ گروہوں کی شکل میں مرتب کر کے انہیں انسانی صورت اور گویائی عطا کی پھر ان سے عہد و میثاق لیا اور فرمایا کہ۔ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے عرض کیا ضرور آپ ہمارے رب ہیں۔ اس معاملے کو بعض لوگ محض تمثیلی انداز بیان پر محمول کرتے ہیں ہمارے نزدیک یہ معاملہ بالکل اسی طرح آیا تھا جس طرح عالم خارجی میں واقعات پیش آیا کرتے ہیں۔ اس اجتماع کو اگر کوئی بعید از امکان سمجھتا ہے تو یہ محض اس کے دائرہ فکر کی تنگی کا نتیجہ ہے ورنہ حقیقت میں تو نسل انسانی کی موجودہ تدریجی پیدائش جتنی قریب از امکان ہے اتنا ہی ازل میں ان کا مجموعی ظہور اور ابد میں مجموعی حشر و نشر بھی قریب از امکان ہے۔ پھر یہ بات نہایت معقول معلوم ہوتی ہے کہ انسان جیسی صاحب عقل و شعور اور صاحب تصرف اور اختیارات مخلوق کو زمین پر بحیثیت خلیفہ معمور کرتے وقت اللہ تعالیٰ اسے حقیقت سے آگاہی بخشے اور اس سے اپنی وفاداری کا اقرار لے۔ اس معاملے کا پیش آنا قابل تعجب نہیں ہے البتہ اگر یہ پیش نہ آتا تو ضرور قابل تعجب ہوتا۔ جس غرض کے لئے پوری نسل آدم سے اقرار لیا گیا تھا وہ یہ ہے کہ انسانوں میں سے جو اپنے خدا سے بغاوت اختیار کرے وہ اپنے اس جرم کا پوری طرح ذمہ دار قرار پائے۔ انہیں اپنی صفائی میں نہ تو لاعلمی کا عذر پیش کرنے کا موقعہ ملے اور نہ وہ سابق نسلوں پر اپنی گمراہی کی ذمہ داری ڈال کر خود بری الزمہ ہو سکیں۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ ازلی میثاق فی الواقعہ عمل میں آ گیا تھا تو اس کی یاد ہمارے شعور اور حافظہ میں محفوظ ہے؟ اگر اس میثاق کا نقش انسان کے شعور اور حافظہ میں تازہ رہنے دیا جاتا تو انسان کا دنیا میں موجودہ امتحان گاہ میں بھیجا جانا سرے سے بے سود ہو جاتا۔ کیونکہ اس کے بعد تو اس آزمائش و امتحان کے کوئی معنی بھی باقی نہ رہ جاتے۔ لہذا اس نقش کو شعور اور حافظہ میں تو تازہ نہیں رکھا گیا لیکن وہ تحت الشعور و وجدان میں ضرور محفوظ ہے۔ پھر اسے جہالت و جاہلیت اور خواہشات نفسانی اور تعصبات اور شیاطین، جن و انس کے گمراہ کن تعلیمات و ترغیبات میں ہمیشہ دبانے چھپانے منحرف کرنے اور مسخ کرنے کی کوشش کی ہے۔ جس کے نتیجے میں شرک، دہریت الحاد زندقہ اور اخلاقی و عملی فساد رونماء ہوتا رہتا ہے۔ لیکن ضلالت کی ان ساری طاقتوں کے متحدہ عمل کے باوجود اس علم کا پیدائشی نقش انسان کی

لوح دل پر کسی نہ کسی حد تک موجود رہا ہے اور اس لئے تزکیر وتجدید کی کوششیں اسے ابھارنے میں کامیاب رہیں ہیں۔ بلاشبہ دنیا کی موجودہ زندگی میں جو لوگ حق اور حقیقت کے انکار پر مصر ہیں وہ اپنی حجت بازیوں سے اس پیدائشی نقش کے وجود کا انکار کر سکتے ہیں یا کم از کم اسے مشتبہ ثابت کر سکتے ہیں۔ لیکن جس روز یوم الحساب برپا ہوگا اس روز اس کا خالق ان کے شعور و حافظہ میں روز اول کے اس اجتماع کی یاد تازہ کردے گا جب کہ انہوں نے اسے اپنا خالق و مالک واحد تسلیم کیا تھا اور یہ بھی وہ ان کی اپنی زندگی ہی کے ریکارڈ سے دکھادے گا کہ انہوں نے کس کس طرح اس نقش کو دبایا کب اور کن موقعوں پر ان کے قلب سے تصدیق کی آوازیں اٹھیں اپنی اور اپنے گردو پیش کی گمراہیوں پر ان کے وجدان نے کہاں کہاں اور کس کس وقت صدائے انکار بلند کی داعیان حق کی دعوت کا جواب دینے کے لئے ان کے اندر کا چھپا ہوا علم کتنی کتنی مرتبہ اور کس کس جگہ ابھرنے پر آمادہ ہوا پھر وہ اپنے تعصّبات اور اپنی خواہشات نفسی کی بناء پر کیسے کیسے حیلوں اور بہانوں سے اس کو فریب دیتے اور خاموش کردیتے تھے۔ وہ وقت جب کہ یہ سارے راز فاش ہوں گے حجت بازیوں کا نہ ہوگا بلکہ صاف صاف اقرار جرم کا ہوگا۔ انسان خدا کے بغیر خلاء محسوس کرتا ہے اس کی روح اندر سے زور کرتی ہے کہ جس آقا کو اس نے نہیں دیکھا اسے پالے۔ لیکن انسان اس ہستی کو ڈھونڈ نہیں پاتا کبھی خوبصورت مکانات بنا کر کبھی عالی شان ڈگریاں لے کر اور کبھی تاج وتخت سے اس خلاء کو پورا کرنا چاہتا ہے۔ واردات قلبی کا صحیح ادراک نہ پا کر حسن ابدی کی تلاش کے بجائے حسن مجازی میں کھو جاتا ہے مگر درد آمیز واذیت انگیز مصنوعی لمحاتی سکون کے سوا اس کے حصے میں کچھ نہیں آتا۔ خدا کی معرفت ملنا گویا اس جذبے کے صحیح مرجع کو پالینا ہے اور جو لوگ خدا کو نہیں مانتے ان کے جذبات کسی دوسری مصنوعی چیز کی طرف مائل ہوجاتے ہیں۔ پندرہ اگست ۱۹۴۷ کو جب ہندوستان کی سرکاری عمارتوں سے یونین جیک اتار کر ملک کا قومی جھنڈا لہرایا گیا تو ان تمام قوم پرستوں کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے جو اپنے ملک کو آزاد دیکھنے کے لئے تڑپ رہے تھے۔ یہ آنسو دراصل آزادی کی دیوی کے ساتھ ان کے گہرے تعلق کا اظہار تھا یہ اپنے مقصود کو پالینے کی خوشی تھی جس کے لئے انہوں نے اپنی عمر

کا بہترین حصہ صرف کر دیا تھا اسی طرح جب کوئی فرد اپنی قوم کے باپ کی قبر پر جا کر سر جھکاتا ہے تو وہ اپنی پر خلوص عقیدت کا اظہار کرتا ہے اور یہ انتہائی عقیدت بسا اوقات عبدیت کی پیش رفت بن جاتی ہے۔ ایک کمیونسٹ جب لینن کے مجسمے سے گزرتا ہوئے اپنا ہیٹ اتارتا ہے اور اس کے قدموں کی رفتار سست پڑ جاتی ہے تو اس وقت وہ اپنے محبوب کی خدمت میں اپنے جذبات عقیدت پیش کرر ہا ہوتا ہے۔ اس طرح ہر شخص مجبور ہے کسی نہ کسی چیز کو اپنا محبوب بنائے اور اپنے جذبات کی قربانی اس کے آگے پیش کرے۔ مگر خدا کے سوا جن صورتوں میں آدمی اپنا نذرانہ پیش کرتا ہے۔ وہ سب شرک کی صورتیں ہیں اور صحیح جذبے کا غلط استعمال ہے۔ یہ جذبہ چونکہ ایک فطری جذبہ ہے اس لئے ابتداً وہ ہمیشہ فطری شکل میں ابھرتا ہے۔ اس کا پہلا رخ اپنے اصلی معبود کی طرف ہوتا ہے۔ مگر حالات اور غلط ماحول کی خرابیاں اس کو غلط سمت میں موڑ دیتی ہیں۔ اور کچھ دنوں بعد جب آدمی ایک مخصوص زندگی سے مانوس ہو جاتا ہے تو اس میں اس کو لذت ملنے لگتی ہے۔ برٹ رینڈ رسل اپنے بچپن میں ایک مذہبی آدمی تھا وہ باقاعدہ عبادت کرتا تھا۔ اس زمانے میں ایک روز اس کے دادا جان نے اس سے پوچھا، تمہاری پسندیدہ دعا کون سی ہے؟ چھوٹے رسل نے جواب دیا۔ میں زندگی سے تنگ آ گیا ہوں اپنے گناہوں میں دبا ہوا ہوں، میں ان سے نجات چاہتا ہوں۔ اس زمانے میں خدا برٹ رینڈ رسل کا معبود تھا۔ لیکن جب رسل تیرہ سال کا ہوا تو اس کی عبادت چھوٹ گئی اور مذہبی رعایات اور پرانی قدروں سے بغاوت کے رجحانات ابھرنے لگے اور اب برٹ رینڈ رسل ایک ملحد انسان بن گیا۔ جس کی محبوب ترین چیز ریاضی اور فلسفہ تھا۔ ۱۹۵۹ میں بی بی سی لندن میں ایک بات چیت کے ایک پروگرام میں سائل نے ان سے پوچھا، کیا آپ نے مجموعی طور پر ریاضی اور فلسفے کے شوق کو مذہبی جذبات کا نعم البدل پایا ہے؟ رسل نے جواب دیا، جی ہاں یقیناً، برطانیہ کے اس عظیم مفکر نے خدا کو اپنا معبود بنانے سے انکار کر دیا۔ مگر معبود کی ضرورت سے پھر بھی وہ بے نیاز نہ رہ سکا۔ اور جس مقام پر پہلے اس نے خدا کو بٹھا رکھا تھا، وہاں ریاضی اور فلسفے کو بٹھانا پڑا۔ اس قسم کے واقعات ہر روز اور ہر سال ساری دنیا میں ہوتے ہیں۔ لاکھوں ایسے لوگ جو خدا کو

نہیں مانتے اور پرستش کو بے معنی چیز سمجھتے ہیں۔ وہ اپنے خود ساختہ بتوں سے آگے جھک کر
اپنے اندرونی جذبے کو تسکین دیتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ۔۔۔۔خدا۔۔۔۔ انسان کی
ایک فطری ضرورت ہے۔ انسان اگر خدا کے سامنے نہ جھکے تو اس کو دوسرے خداؤں کے
آگے جھکنا پڑے گا۔ کیونکہ خدا کے بغیر اس کی فطرت اپنے خلا کو پر نہیں کر سکتی۔ مگر بات
صرف اتنی نہیں ہے۔ اس سے بڑھ کر میں کہتا ہوں کہ جو لوگ خدا کے سوا کسی اور کو اپنا معبود
بناتے ہیں وہ ٹھیک اسی طرح حقیقی سکون سے محروم رہتے ہیں جیسے کوئی بے بچہ کی ماں،
پلاسٹک کی گڑیا خرید کر بغل میں دبا لے اور اس سے تسکین حاصل کرنا چاہے۔ ایک ملحد
انسان خواہ وہ کتنا ہی کامیاب کیوں نہ ہو۔ اس کی زندگی میں ایسے لمحات آتے ہیں جب وہ
سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ حقیقت اس کے سوا کچھ اور ہے جو میں نے پائی ہے۔ ہندوستان
ٹائمز ۱۳ اکتوبر ۱۹۶۳ میں سابق وزیر اعظم ہندوستان پنڈت نہرو دوزانوں ہو کر اور ہاتھ جوڑ
ے نظر آرہے ہیں۔ جنوری ۱۹۶۴ میں مستشرقین کی بین الاقوامی کانگریس میں پنڈت جواہر
لعل نہرو نے کہا تھا کہ میں ایک سیاست دان ہوں۔ مجھے سوچنے کے لئے کم وقت ملتا ہے۔
پھر بھی بعض اوقات میں یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہوں کہ آخر یہ دنیا کیا ہے؟ ہم کس لئے
ہیں؟ ہم کیا ہیں؟ اور ہم کیا کر رہے ہیں؟ میرا یقین ہے کہ کچھ طاقتیں ہیں جو ہماری
تقدیریں بناتی ہیں۔ یہ ایک عدم اطمینان ہے جو ان تمام لوگوں کی روحوں پر گہرے کہر کی
طرح چھایا ہوا ہے۔ جنہوں نے اللہ کو خدا اور معبود بنانے سے انکار کر دیا۔ دنیا کی
مصروفیات اور وقتی دلچسپیوں میں عارضی طور پر کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ اطمینان سے
ہمکنار ہیں۔ مگر جہاں یہ مصنوعی ماحول ختم ہوا اندر سے زور کرنا شروع کر دیتی ہے اور انہیں
یاد دلاتی ہے کہ وہ سچے اطمینان سے محروم ہیں۔ جو لوگ خداوند عالم پر ایمان لا چکے ہیں
لیکن ان کا تعلق اپنے خالق سے کما حقہ نہیں ہے، ہر چند کہ وہ دولت میں کھیل رہے ہوں۔
جاہ و حشمت ان کی لونڈی ہو، ملک و مال ان کے تصرف میں ہو پھر بھی ذرد ذرد چہروں پر
روحانی اذیت کی پرچھائیاں محسوس ہوتی ہیں۔ ان کے چہروں پر ایسا مخفی غم جھلکتا ہے جس کی
شاید انہیں بھی خبر تک نہ ہو، انسان اسی اذیت میں اس وقت تک مبتلا رہے گا جب تک اس

کا تعلق فاطر کائنات سے خاطر خواہ قائم نہ ہو گا۔ یہ ماہی بے آب کی طرح تڑپتا رہے گا جب تک مالک برحق کے سامنے جبیں نیاز خم نہیں کرے گا۔ ادھر شان بے نیازی اپنی رحمت کے جلوے دکھا رہی ہے۔ چہار دانگ عالم میں آواز گونج رہی ہے کہ۔۔۔۔ اے انسان لوٹ آ لوٹ آ۔۔۔ جتنا بھی گناہ گار ہے، چاہے کافر ہے، چاہے بت پرست، اگر سو بار بھی توبہ توڑی ہے پھر بھی میرے در پر لوٹ آ، میری رحمت تجھے اپنی گود میں لے لے گی۔ تجھ پر میں اپنے الطاف و کرم کی بارش کر دوں گا۔ تیری ذات میں وسعت پیدا ہو جائے گی۔ تجھے حسین تر، وسیع تر اور مطمئن تر زندگی مہیا کروں گا ایک نیا جنون اور ولولہ عطا کروں گا تو اس جہنم کے شعلوں، متعدی ناسور، سوزش سینہ، اعصابی کشمکش اور اختلاج قلب سے مامون ہو جائے گا۔ تجھے سلامتی طبع اور سکون قلب جیسی بے مثل نعم عطا کر کے اولوالعزم ثابت قدم اور مستقل مزاج بنا دوں گا۔ ادھر بے خودی کا یہ عالم ہے کہ خدا یاد نہیں، رحمت خداوندی آواز دیتی ہے۔۔۔۔ ہے کوئی مانگنے والا۔۔۔۔ جس کے گناہ معاف کئے جائیں۔ ہے کوئی امن چاہنے والا جس کو سلامتی اور امن عطا کیا جائے۔ ہے کوئی رحمت مانگنے والا جسے رحمت سے نوازا جائے۔ عجیب بات ہے کہ بے نیاز تو بلائے مگر نیاز مند نہ جائے۔ غنی صدائیں دے مگر محتاج جواب تک نہ دے۔ انسان جب خدا کے حضور اپنی جبیں جھکا کر اپنے گناہوں پر رو دیتا ہے تو رب قدوس کو اتنی خوشی ہوتی ہے جیسا کہ صحرا کے مسافر کو اپنی وہ گمشدہ ناقہ مل جائے جس پر اس کا زادراہ لدا ہوا ہو۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالی نے فرمایا۔۔۔۔ اے ابن آدم جب تک تو نے مجھے پکارا اور مجھ سے امید رکھی۔ میں تیری بخشش کر دوں گا چاہے تجھ سے کچھ بھی ہوا ہو۔ اے ابن آدم اگر تیرے گناہ آسمان کے بادلوں تک پہنچیں پھر بھی تو نے بخشش طلب کی، میں تجھ کو بخش دوں گا۔ اے ابن آدم اگر تو میرے پاس زمین کو خطاؤں سے بھر کر آئے پھر تو ایسی حالت میں مجھ سے ملے تو میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو تو زمین کو بخشش سے بھر کر تیرے پاس لے آؤں گا۔

مقام دل و نگاہ

عبدالرشید ساہی

شعر نمبر ۱

عقل گو آستاں سے دور نہیں
اس کی تقدیر میں حضور نہیں

علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ عقل اللہ تعالیٰ کی ہستی پر دلائل قائم کر کے ہمارے دل میں یقین پیدا کر دیتی ہے کہ اس کائنات میں کوئی ایسی ہستی موجود ہے جو اتنے بڑے نظام کو بہترین طریقہ وسلیقہ سے چلا رہی ہے لیکن وہ اس خالق عرض وسماء اور صانع کا تعین نہیں کر سکتی یعنی یہ آسانہ محبوب پر پہنچ جاتی ہے لیکن یہ اس کے دیدار سے مشرف نہیں ہو سکتی ایک اور جگہ علامہ فرماتے ہیں۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشہ لب بام ابھی

دراصل درون خانہ شاعر یہ کہنا چاہتا ہے کہ محبوب کا درشن کرنے کے لئے عشق کا سہارا لینا پڑتا ہے اس جذبہ کے بغیر کسی میدان میں بھی کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوا جا سکتا قبلہ حضور پیر و مرشد نے ایک روز دوران محفل ایک فقرہ اس بات کو سمجھانے کے لئے استعمال کیا صد پٹواری نوں جند ساہی دے ناں لاواں

شعر نمبر ۲

دل بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور، دل کا نور نہیں

چونکہ آنکھ صرف مظاہر کو دیکھ سکتی ہے اس لئے شاعر یہ مشورہ دیتا ہے کہ دل بینا بھی خدا سے طلب کرتا کہ حقائق کا ادراک ہو سکے دراصل حقیقت اشیاء کے سیکھنے کا آلہ خواس خمسہ یا آنکھ نہیں ہے بلکہ دل ہے اور دل میں نور کیسے پیدا ہوتا ہے اس کے لئے انسان کو اللہ تعالیٰ اور نبی ﷺ کی اطاعت کرنا ہو گی اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں بعض اوقات مجھے یہ سن کر بہت

دکھ ہوتا ہے کئی علماء حضرات توحید کو شد و مد سے بیان فرماتے ہیں لیکن حضور نبی مکرم ﷺ و حبیب محترم کی شان کو بیان فرمانے سے معلوم نہیں وہ کیوں ہچکچاتے اور شرماتے ہیں حالانکہ قرآن حکیم فرقان حمید میں جابجا رب کریم نے اپنی اطاعت اور اپنے محبوب رسول کی اطاعت کا حکم دیا ہے شاید کوئی کم فہم اس غلطی میں مبتلاء ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ جو ہمیں اپنی طرف اتنی کوشش سے بلا رہا ہے اور اتنے رسول بھیجے جارہے ہیں، کتابیں نازل کی جارہی ہیں، معجزات کا سلسلہ جاری ہے تو شاید اس کی کبریائی کا دارومدار اور اس کی خدائی اور بادشاہی کا انحصار ہم پر ہے اگر ہم نے اس کو رب تسلیم کرلیا تو اس کی خدائی قائم رہے گی اور اگر اس کو ماننے سے انکار کر دیا تو اس کی عظمت کبریائی میں فرق آجائے گا چنانچہ اللہ کریم نے اپنی صفت الغنی بیان فرما کر اس بات کا ازالہ کر دیا کہ اس کو کسی کی حاجت نہیں ہر چیز اس کی محتاج ہے ہاں اس کی رحمت بے پایاں اور اس کی شفقت بے نہایت ہے اس کا تقاضہ ہے کہ تمہیں ہلاکت کے گڑھے سے بچایا جائے اور تم میں جو صلاحیتیں ہیں ان کی نشوونما کے لئے اسی شریعت عطا کی جائے جس پر عمل پیرا ہونے سے انسان اپنا اصلی مقام پہچان سکے اس منشاء کی تکمیل کے لئے رب کریم نے نبی رحمت ﷺ کی ذات کو دنیا میں مبعوث فرمایا رب کعبہ کی قسم! حضور ﷺ کی اداؤں کا نام ہی اسلام ہے جو کوئی بھی اس ذات کبریا کا متلاشی ہے اس کو چاہئے کہ نبی محترم ﷺ کے بتائے اور دکھائے ہوئے راستے پر گامزن ہو جائے وہ راستہ اللہ تعالیٰ تک رسائی کا راستہ ہے تاریخ شاہد ہے کہ جن مغروروں نے حضور اکرم ﷺ کی مخالفت سے توبہ نہ کی ان کی ساری عظمت خاک میں مل گئی اور وہ ذلیل و خوار ہو گئے اور قیامت کے دن جو عذاب انہیں دیا جائے گا اس کا تو وہ ابھی تصور نہیں کر سکتے عشق رسول کے جذبے میں مست ہو کر علامہ نے فرمایا ہے۔

جلانا دل کا ہے گویا سراپا نور ہو جانا
یہ پروانہ جو سوزاں ہو تو شمع انجمن بھی ہے

شعر نمبر ۳

علم میں بھی سرور ہے لیکن

یہ وہ جنت ہے جس میں حور نہیں

علامہ اقبال فرماتے ہیں علم سے بھی انسان کو سرور حاصل ہوتا ہے لیکن یہ سرور محض عقل کے دائرہ میں محدود ہوتا ہے جسے ذہنی مسرت کہتے ہیں اس سے انسان میں مستی کی کیفیت پیدا نہیں ہو سکتی لیکن جو سرور عشق سے پیدا ہوتا ہے وہ پوری شخصیت کو محیط کرتا ہے اس کی بدولت رگ و پے میں مستی کا رنگ پیدا ہو جاتا ہے یعنی عشق کا سرور، جذبات اور احساسات کی دنیا میں بھی ہنگامہ برپا کر دیتا ہے اور یہ وجہ ہے کہ عالم بکف ہو کر میدان جہاد میں نہیں جا سکتا یہ کام صرف عاشق کر سکتا ہے عشق مجازی میں دل و دماغ کی ابتری اور کاہش جاں مضمر ہے مگر عشق حقیقی جانفزاء اور روح پرور ہے کہ اس میں بے پناہ روحانی ترقیات ہیں خدائی عشق انسان کو عالی مرتبہ بنا دیتا ہے بخلاف اس کے مخلوق کا عشق باعث ذلت وخواری ہے

دل فقر کی دولت سے مرا اتنا غنی ہے
دنیا کے زر و مال پر میں تف نہیں کرتا
یہ پیام دے گئی ہے مجھے باد صبح گاہی
کہ خودی کے عارفوں کا ہے مقام پادشاہی
تیری زندگی اسی سے تیری آبرو اسی سے
جو رہی خودی تو شاہی، نہ رہی تو روسیاہی

شعر نمبر ۵

اک جنوں ہے کہ باشعور بھی ہے
اک جنوں ہے کہ باشعور نہیں

علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ جنوں کی دو قسمیں ہیں عشق حقیقی کی بناء پر انسان میں جو کیفیت جنوں پیدا ہوتی ہے اس میں شعور اور آگاہی کا رنگ شامل ہوتا ہے لیکن عشق مجازی میں انسان عقل و شعور سب سے بیگانہ ہو جاتا ہے یہ وصف صرف اللہ کے عشق میں ہے کہ وہ انسان کو فرزانہ بنا دیتا ہے عشق مجازی سے پرہیز ہی بہتر ہے یہ عشق اگر ہادی الی الحق ہے

تو اس کے لئے بڑی قابلیت اور صلاحیت کی ضرورت ہے اگر صلاحیت نہ ہو تو پھر یہ بلائے عظیم بن جاتا ہے ایسی صورت میں اس سے بچنا اچھا ہے بقول شاعر

قابلیت ہو تو دیدار مجال اچھا ہے
ورنہ اس کوچہ کا پھر ترک خیال اچھا ہے

عشق مجازی اور عشق حقیقی کا جائزہ لینے کے لئے ہمیں اسوۂ ابراہیم خلیل اللہ کو دیکھنا چاہئے کہ اس سے کیا سبق ملتا ہے جب حضرت ابراہیمؑ کی نظر تلاش حق میں بتوں پر پڑی اور وہ ان میں کوئی خدائی شان نہ پا کر ان کا ابطال کر چکے تو پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوئے ایک ستارہ نظر آیا اس میں خدائی شان کا جلوہ دیکھا تو بولے ہذا ربی یہ میرا پروردگار ہے یہ تو ظاہر ہے کہ پیغمبری فطرت ستارہ پرستی پر کب مائل ہوتی تھی خصوصاً وہ پیغمبر جس نے شعور سے شرک کو حقارت سے دیکھا ہو لامحالہ ہذا ربی کے اسم اشارہ میں ان کا مشار الیہ پروردگار حق تھا جس کی شان ان کو ایک مظہر میں ظاہر ہوتی نظر آئی اور وہ مظہر ایک ستارہ تھا مگر کمال محویت کے باعث مظہر سے قطع نظر کر کے ظاہر کو اشارہ الیہ بنایا جب وہ ستارہ غروب ہو گیا تو آپ نے دیکھا کہ یہ مظہر جس میں وہ محبوب حقیقی کے جمال کا مشاہدہ کر رہے تھے ایک مجبور و فانی چیز ہے تو کیا غروب ہو جانے والی چیزوں کو میں پسند نہیں کرتا یعنی جلوہ حق کے مشاہدہ کے لئے ایسی فانی چیزیں مجھے پسند نہیں غرض پھر چاند اور سورج کو دیکھا یہی نقص ان بڑے بڑے مظاہر میں پایا تو کہا یعنی میں نے تو ایک ہی کا ہو کر اپنا رخ اسی کی طرف کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں غرض جب ایک پیغمبر مخلوق فانی میں خالق باقی کا جلوہ دیکھنا شرک کا مترادف سمجھتا ہے تو اب عوام کے لئے جن کے قلوب ہر وقت ہوا و ہوس کے حملوں سے خطرے میں ہیں اس کو کیا سمجھا جاوے بقول شاعر

ہشیار رہو عشق کی مستی سے بچو
عفریت ہوس کی چیرہ دستی سے بچو
غارت گر ایمان ہیں بتان ظنار

مومن ہو اگر تو بت پرستی سے بچو

مندرجہ بالا بحث سے معلوم ہوا کہ عشق حقیقی ہی کا موصل الی الحق ہونا ظاہر ہے

ذرہ ذرہ چیرتی ہے مہر پر تنویر کا
بے خودی آئینہ ہے ہنگامہ تکبیر کا

شعر نمبر ۶

ارنی میں بھی کہہ رہا ہوں مگر
یہ حدیث کلیم و طور نہیں

ارنی کے لغوی معنی ہیں "مجھے دکھا" حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی تھی
اے رب مجھے اپنے آپ کو دکھا اللہ نے فرمایا "لن ترانی" تو مجھے ہر گز نہ دیکھ سکے گا لیکن
جواب سے حضرت موسیٰ کے اشتیاق میں کمی نہ ہوسکی اس لئے ازراہ لطف و کرم اور بندہ
نوازی اللہ نے فرمایا کہ اچھا ہم اپنی صفت کی تجلی کوہ طور پر فرماتے ہیں اگر تم صفت کی تجلی
کی تاب لا سکے تو ذات کا جلوہ بھی دیکھ سکو گے پس اللہ نے پہاڑ پر اپنی تجلی فرمائی پہاڑ ریزہ
ریزہ ہو گیا اور موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے جب ہوش میں آئے تو وہ سمجھے کہ جب انسان اس
کی صفت کی تجلی کی تاب نہیں لا سکتا تو ذات کو کیسے دیکھ سکتا ہے علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ
طالب دیدار تو میں بھی ہوں لیکن میں اس تجلی کا خواہاں نہیں ہوں جو مجھے حضرت موسیٰ کی
طرح بیہوش کر دے بلکہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ اللہ میری خودی کو اس درجہ مستحکم کر دے کہ میں
اس کی تجلیات کی تاب لا سکوں دراصل اللہ نہ تو ہم سے جدا ہے اور نہ ہی ہم اس سے جدا ہیں
علامہ اقبال فرماتے ہیں، ہے ذوق تجلی بھی اسی خاک میں پنہاں غافل تو نرا
صاحب ادراک نہیں ہے۔ انسان خدائی تخلیق کا شاہکار، اشرف المخلوقات، احسن تقویم،
خلیفۃ الارض اور امر ربی (روح) جیسے انعامات سے نوازا گیا ہے یہ مٹی کا پتلا نہیں ہے علامہ
اس معاملہ کو بیان فرماتے ہیں

تیرا جوہر ہے نوری پاک ہے تو
فروغ دیدۂ افلاک ہے تو

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو نہ تو شجر و حجر کی طرح محکوم بنایا بلکہ اس کو خیر و شر دونوں سے مطلع فرما کر اس کو صوابدیدی اختیار دے دیا کہ جو راستہ وہ چاہے اختیار کرے لیکن یوم حساب پر اس کو جواب دینا ہوگا کہ اس نے خدائی عطاء کردہ زندگی کا عرصہ کیسے بسر کیا اگر تو انسان نے زندگی خدائی احکام اور نبی اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق بسر کی ہوگی تو کامیاب قرار دیا جائے گا ورنہ سزا کا مستحق قرار پائے گا حبیب مکرم ﷺ کی تریسٹھ سالہ زندگی ہماری رہنمائی کے لئے ستارہ نور ہے اور آپ ہی کی اتباع میں دنیا و آخرت کی کامیابی کا راز پنہاں ہے انسان صفات باری کا پرتو ہے خواجہ میر درد کو ملاحظہ فرمائیں

پردہ کو تعین کے در دل سے اٹھا دے
کھلتا ہے ابھی پل میں طلسمات جہاں کا

دراصل اقبال یہ کہنا چاہتا ہے کہ انسان اپنی خودی کو اس قدر محکم کرے کہ وہ تجلیات کی تاب لا سکے اقبال کے نزدیک کمال زندگی فناء یا وصل نہیں ہے بلکہ اسلام تو لقاء کا علمبردار ہے ارشاد ربانی ہے **فمن کان یرجوالقاء ربہ** یعنی جو شخص اپنے رب سے ملاقات یا اس کے دیدار کا آرزومند ہو اسے لازم ہے کہ اعمال صالح بجالائے اور شرک سے اجتناب کرے علامہ فرماتے ہیں

کمال زندگی دیدار ذات است
طریقش استن ازبند جہات است

بندہ جب بندہ خدا بن جاتا ہے تو خدا کی ساری سلطنت میں اس کو با اختیار بنادیا جاتا ہے۔

یہیں بہشت بھی ہے حور و جبرئیل بھی ہے
تری نگہ میں ابھی شوخی نظارہ نہیں

اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش

(پروفیسر یوسف سلیم چشتی

دوسری بحث

مسلمانوں کے ہاتھوں یہود کو جو ذلت نصیب ہوئی، اس کی خلش ان کے دل میں کبھی ن
سکی، چنانچہ مسلمانوں کی طاقت کو ضعف پہنچانے اور اسلامی تعلیمات کو مسخ کرنے کے
حضرت عثمانؓ کی خلافت کے آخری دور میں یمن کے ایک یہودی عبداللہ ابن سبا نے مدینے م
کر منافقانہ طور پر اسلام قبول کیا۔

کسی یہودی کیلئے مسلک نفاق اختیار کرنا کوئی نئی یا دشوار بات نہیں تھی خود حضور انور ﷺ
کے عہد مبارک میں عبداللہ ابن ابی نے منافقانہ طور پر اسلام قبول کر لیا تھا وہ جب تک زندہ رہا
پردازی میں مشغول رہا لیکن حضور انور ﷺ کی حیات مبارکہ میں دین حق میں کسی قسم کے
کی آمیزش نہ کر سکا۔

چونکہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ عبداللہ ابن سبا کوئی تاریخی شخصیت نہیں ہے اس لئے ا
فتنہ پردازی کی داستان قلمبند کرنے سے پہلے چند تاریخی شواہد پیش کرنا ضروری ہیں تا کہ ا
شخصیت متحقق ہو جائے۔

۱۔ مہدی توحید پور (پیرو مذہب شیعہ) نفحات الانس (جامیؒ) کے مقدمے میں صفحہ ۲۹ پ
ہے "اولیں کسیکہ نسبت الوہیت بحضرت امیر داد، عبداللہ ابن سبا بود کہ در زمان آنحضرت زند
میکرد"

ترجمہ! پہلا شخص جس نے حضرتِ امیر کو الوہیت سے نسبت دی عبداللہ ابن سبا تھا جس
آنحضرت ﷺ کے زمانے میں زندگی بسر کی"۔

۲۔ ڈاکٹر کلین (KLEIN) "الابانہ عن اصول الدیانہ" کے انگریزی ترجمے کے مقد
میں صفحہ ۸۱۷ پر لکھتا ہے۔

" عبداللہ ابن سبا یہودی نو مسلم نے جب حضرت علیؓ سے ملاقات کی تو ان سے یہ کہ

مخاطب ہوا"۔ **أنتَ أنتَ** اِس جملے سے اِس کا مطلب یہ تھا کہ تو خدا ہے، یہ سن کر حضرت علیؓ نے اسے جلاوطن کر دیا کیونکہ اِن کی رائے میں یہ جملہ کفرِ صریح تھا۔ لیکن عبداللہ ابن سبا کے پیروؤں کے دلوں میں یہ عقیدہ جاگزیں ہو چکا تھا کہ حضرت علیؓ اِس دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے۔

نیز یہ کہ اِن کے اندر الوہیت کا ایک جزء حلول کر گیا تھا اور یہ جزوِ الوہیت بصورت تناسخِ ارواح، اِن کے جانشینوں میں درجہ بدرجہ منتقل ہوتا رہا"۔

۳۔ سر ولیم میور (MUIR) اپنی تصنیف "الخلافت۔ اِس کا عروج، انحطاط اور زوال" میں صفحہ ۲۱۶ پر لکھتا ہے۔

"۳۲ھ میں جبکہ ابن عامر، بصرے کا گورنر تھا، عبداللہ ابن سبا نے جسے عام طور سے ابن سوداء کہتے تھے، بصرے میں آ کر اسلام قبول کیا لیکن بہت جلد یہ حقیقت آشکار ہو گئی کہ وہ دراصل حکومتِ وقت کے خلاف شدید باغیانہ خیالات رکھتا تھا۔ بلکہ اِس کی ذات مجسم بغاوت تھی چنانچہ اِس کے انہی باغیانہ خیالات کی وجہ سے اسے بصرہ، کوفہ اور دمشق سے پے در پے جلاوطن کیا گیا، انجام کار مصر میں اِسے گوشۂ عافیت میسر آ گیا اور یہاں بیٹھ کر اس نے عجیب و غریب بلکہ ہوشربا اور سراسر اسلام کے خلاف عقائد کی اشاعت شروع کی۔ مثلاً

(الف) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی دوبارہ اِس دنیا میں تشریف لائیں گے۔

(ب) فی الحال حضرت علیؓ آنحضرتؐ کے وصی، وارث یا جانشین ہیں۔

(ج) حضرت عثمانؓ (نعوذ باللہ منہ) غاصب ہیں۔

اس لئے جب تک اِن کی حکومت کا قلع قمع نہیں کیا جائے گا اس وقت تک صداقت اور عدالت کا قیام ناممکن ہے۔ مصر میں اِن عقائد کو بہت جلد قبولیت حاصل ہو گئی۔

۴۔ پروفیسر نکلسن اپنی تصنیف عربوں کی ادبی تاریخ میں صفحہ ۲۱۵ پر لکھتا ہے۔

عبداللہ ابن سبا (جس کا صحیح تلفظ سباع ہے، یمن کے شہر صنعاء کا باشندہ تھا اور دراصل یہودی

تھا۔ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں اسلام لایا اور بظاہر ایک گشتی مبلغ بن گیا۔ طبری
اِس نے مختلف شہروں کا سفر کیا اور اِس کا مقصد مسلمانوں کو گمراہ کرنا تھا۔ انجام کار اس نے
سکونت اختیار کر لی یہاں اِس نے مسلمانوں کو "رجعت" کی تعلیم دینا شروع کی۔ یعنی
مسلمانوں سے کہا کہ یہ بات صداقت سے کس قدر بعید ہے کہ ایک مسلمان اس بات پر
رکھتا ہے کہ مسیح دوبارہ دنیا میں آئیں گے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رجعت کا انکار
حالانکہ خدا نے قرآن مجید (۸۵،۲۸) میں اعلان فرمایا ہے کہ وہ دوبارہ دنیا میں تشریف
گے۔ علاوہ ازیں ایک ہزار انبیاء ایسے گذرے ہیں جن میں ہر نبی کا ایک وصی تھا۔ لہٰذا
آنحضرت کے وصی ہیں۔ جس طرح آنحضرت صلعم خاتم الانبیاء ہیں۔ اِسی طرح حضرت
الاوصیاء ہیں۔ ابن سباء نقل کفر کفر نباشد، خلفائے ثلاثہؓ کو (نعوذ باللہ) غاصب قرار
اِس نے حضرت علیؓ کی حمایت میں سازشوں کا جال بچھا دیا اور اِسلامی سلطنت کے مختلف
میں جو لوگ حضرت عثمانؓ کے خلاف تھے، اِن سے خفیہ مراسلت کا سلسلہ شروع کر دیا۔
(دیکھو طبری ۱،۲۲

۵۔ ڈاکٹر جے این ہالسٹر اپنی تصنیف شیعان ہند میں صفحہ ۱۵ پر لکھتا ہے۔
"حضرت علیؓ کے حق میں عبداللہ ابن سباء نے سب سے پہلے پروپیگنڈہ شروع
صنعاء کا یہودی تھا حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں اسلام لایا اور مختلف شہروں میں جا
عقائد کی تبلیغ کی کہ آنحضرت (صلعم) دوبارہ اِس دنیا میں تشریف لائیں گے اور حضر
آنحضرت (صلعم) کے وصی ہیں۔ اِس نے یہ بھی کہا تھا کہ خلفائے ثلاثہؓ (نعوذ باللہ) غا
ہیں، کیونکہ آنحضرت صلعم کے اندر جو الوہیت تھی وہ اِن کی وفات کے بعد حضرت علیؓ کی
میں منتقل ہو گئی جو لوگ حضرت عثمانؓ سے ناخوش تھے۔ اُنہوں نے اِس کی دعوت پر لبیک کہا"

۶۔ پروفیسر پی کے ہٹی اپنی تصنیف عربوں کی تاریخ "مطبوعہ لندن طبع چہارم ۱۹۴۹
صفحہ ۲۴۸ پر لکھتا ہے۔
"عبداللہ ابن سباء جس کی شخصیت ایک معما ہے، حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت

سان ہوا اُس نے حضرت علیؓ کی تعظیم میں اِس درجہ مبالغہ کیا کہ وہ پریشان ہو گئے یہ شخص غالی

یہ فرقے (غلاۃ) کا بانی تھا۔

۷۔ پروفیسر عباس اقبال، معلم دار المعلمین عالی، طہران، اپنی تالیف خاندان نوبختی کے صفحہ

۲۶۰ پر لکھتا ہے۔

سبائیہ! اولین فرقہ غلاۃ، طرفداران عبداللہ بن سباء کہ پیش از ہر کس باظہار طعن ابوبکرؓ و عمرؓ و

ؓ پر داختہ و معتقد بحیات جاوید و رجعت حضرت علیؓ والوہیت او بودہ اند امیر المومنین علی،

اللہ بن سباء را بقتل رساند، فرقہ نصیریہ از باز ماندگان سبائیہ بودہ اند" لفظی ترجمہ یہ ہے۔

سبائیہ غالی فرقوں میں سے سب سے پہلا فرقہ ہے۔ یہ لوگ عبداللہ ابن سباء کے طرفدار تھے

ں نے سب سے پہلے (حضرات) ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ پر طعن کا اظہار کیا اور یہ لوگ حضرت علیؓ کی

ات جاوید اور رجعت (دوبارہ دنیا میں واپسی) اور الوہیت کے معتقد تھے۔ امیر المومنین علیؓ نے

اللہ ابن سباء کو قتل کر دیا۔ فرقہ نصیریہ کے افراد کے، اِسی فرقہ سبائیہ کے باقی ماندہ افراد میں سے

ہے۔

۸۔ امام محمد بن عبدالکریم شہرستانی اپنی تالیف "الملل والنحل" میں لکھتے ہیں۔ "ومن ذلک

ائیہ، اصحاب عبداللہ بن سباء کہ با امام المتقین حیدر گفت تو مئی کہ تو ئی بکناتیہ آں شقاوت پیشہ

گفت کہ تو خدائی اول کسے بود کہ بفرضیت امام علی رضی اللہ عنہ قایل شد و اصناف غلاۃ ازیں

دول متشعب گشتند۔ درائے خامہ بداں ذاہب شد کہ امام المتقین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقتول

کہ و در آں حضرت جزوے از جزائے الٰہی موجود است تعالیٰ اللہ عما یقولون رعد، صوت اوست و

ں، تازیانہ، اوست"۔

ترجمہ از افضل الدین صدر ترکہ اصفہانی، بخش اول صفحہ ۱۸۸)

لفظی ترجمہ یہ ہے اور اِن فرقوں میں سے ایک فرقہ سبائیہ ہے۔ یہ عبداللہ بن سباء کے

حاب ہیں جس نے حضرت علیؓ سے کہا کہ تو تو ہے اِس کا مطلب یہ ہے کہ تو خدا ہے۔ عبداللہ ابن

پہلا شخص ہے جو امامت علیؓ کی فرضیت کا قائل ہوا اور غلاۃ کے مختلف فرقے اِسی مخذول شخص کی

تعلیمات سے پیدا ہوئے۔ اس کی رائے ہیں۔

(۱) حضرت علیؓ مقتول نہیں ہوئے۔

(۲) اور اِن میں الوہیت کے اجزاء میں سے ایک جزو موجود تھا (اللہ کی شان ان سے جو یہ لوگ کہتے ہیں بہت بلند ہے) رعد ان کی آواز ہے اور برق اِن کا تازیانہ ہے۔

مجھے یقین ہے کہ اِن شواہد کا مطالعہ کرنے کے بعد کسی شخص کو اس حقیقت کے تسلیم کر کوئی تامل نہ ہوگا کہ عبداللہ ابن سباء تاریخ اسلام میں پہلا شخص ہے جس نے مسلمانوں م فساد کا بیج بویا۔

بازآمدم برسرِ مطلب:۔

عبداللہ ابن سباء نے جن عقائد کی تلقین کی اِن کا اجمالی تذکرہ سطور بالا میں بیان کی ہے اِن کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد یہ حقیقت واضح ہو سکتی ہے کہ اُس نے ایک تیر سے دو ش

(۱) اِسلام کے بنیادی عقائد میں غیر اِسلامی اور مشرکانہ عقائد داخل کردیئے۔

(۲) مسلمانوں کی وحدت ملی اور یک جہتی و یکانگی اور یک نگاہی کو پارہ پارہ کر دیا۔

بالفاظ دگر وہ اپنے مقصد میں پوری طرح کامیاب ہو گیا۔ یعنی اِس نے حضرت علیؓ کو خد مسلمانوں میں اِنسان پرستی کا عقیدہ راسخ کر دیا اور تفرقہ پیدا کر کے مسلمانوں کو مسلمانو خلاف صف آرا کر دیا۔

اس شخص کی منافقانہ روش اور فتنہ انگیزی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے قتل کرایا لیکن جو خفیہ جماعت اِس نے پیدا کر دی تھی اور جس قسم کے غیر اسلامی عقا جماعت میں راسخ کر دیئے تھے۔ اِن دونوں باتوں کا خاتمہ نہ ہو سکا بلکہ اِس کی وفات ۔ اس کی جماعت کو ایران میں قبول عام کی سند حاصل ہو گئی۔ کیونکہ یہودیوں کی طرح ایرا عرب مسلمانوں سے شدید نفرت کا جذبہ دل میں پوشیدہ رکھتے تھے اور جن عقائد کی ابن س تبلیغ کی تھی وہ اُن کے لئے قابل قبول تھے۔ خصوصاً حلول کا عقیدہ جو ان میں پہلے ہی سے تھا۔

جدید جاہلیت

(محمد قطب)

اس عنوان پر کئی لوگوں کو تعجب بھی ہوگا اور اِس پر برملا حیرت کا اظہار بھی کریں گے کہ کیا
بیسویں صدی میں انسانیت نے تہذیب وتمدن کی جو معراج حاصل کی ہے۔اور سائنسی تحقیقات
کے ذریعے جس طرح ساری کائنات کو مسخر کرلیا ہے۔ایٹم کو پھاڑ ڈالا اور راکٹ ایجاد کرلیے
ہیں۔کیا یہ سب جاہلیت ہے۔ بلاشبہ آج انسان نے وہ بلندی اور عظمت حاصل کرلی ہے جو اس
سے پہلے انسان کو کبھی حاصل نہ ہوئی تھی اور آج انسان جس طرح کائنات کو مسخر کر کے اس پر غلبہ
اور بالادستی حاصل کر چکا ہے۔اس کے بارے میں کرۂ ارضی پر بسنے والا کوئی شخص دس بیس سال
پہلے تک بھی تصور نہ کرسکتا تھا۔ بتایئے ہم پھر کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ انسان آج کی بیسوی صدی
میں جاہلیت کی زندگی گزار رہا ہے۔حالانکہ آج کے انسان کو مکمل آزادی حاصل ہے اور وہ
مساوات ، جمہوریت اور سماجی انصاف کے اصولوں کی روشنی میں زندگی گزار رہا ہے، اس لئے
ظاہر ہے کہ اس تابناک دور کو جاہلیت کا نام دے دینا موزوں نہیں ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ بیشتر لوگوں کا خیال ہے کہ جاہلیت اسلام سے پہلے کے عرب کے
تاریخی دور کا نام ہے۔اِس خیال کے حامل سادہ لوح نیک لوگ بھی ہیں اور عام لوگ بھی۔ نیک
اور سادہ لوح لوگ اِس بات پر پورا یقین رکھتے ہیں کہ بعثت نبویؐ سے پہلے کے عرب کی جو حالت
اسلام نے بیان کی ہے،وہ بالکل درست اور صحیح ہے اور وہ فی الواقع جاہلیت تھی، جبکہ عام لوگ ہر
جانب سے غیر اسلامی افکار میں گھرے ہوئے ہیں اور عصبیتوں کا شکار ہیں۔ حالانکہ رسول اللہ
ﷺ کا فرمان ہے۔

''جس نے عصبیت کو دعوت دی وہ ہم میں سے نہیں ہے''۔

یہ عصبتوں کا شکار لوگ جاہلیت عربیہ کا بچاؤ اور اس کی مدافعت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ
قرآن نے عرب معاشرہ میں جس جاہلیت کی نشاندہی کی ہے وہ سرے سے جاہلیت ہی نہ تھی۔
بلکہ اس وقت کا عرب معاشرہ ایسے کمالات، حقیقی اقدار،علوم اور تہذیب وتمدن کا حامل تھا، جسے
اس نے رومیوں اور ایرانیوں سے میل جول کے دوران حاصل کیا تھا اور یورپ کے مستشرقین بھی

اپنی تصانیف میں اسی رائے کی تائید کرتے ہیں۔

بہر حال یہ آزاد خیال انارکسسٹ اپنے خاص نقطہ نظر کے تحت سرے سے یہ تصور ہی نہیں سکتے کہ آج اس بیسویں صدی میں جاہلیت کا دور دورہ ہے، بالخصوص جبکہ ان کی تحقیق کا معیار ہو جو ہمارے سامنے آیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں گروہ جاہلیت کے حقیقی معنی اور قرآن کے متعین کردہ منشاء ومر سے بے خبر ہیں۔

سادہ لوح لوگ سمجھتے ہیں کہ جاہلیت شرک بت پرستی، انتقام اور اُن بری عادتوں کا نام ہے جو اسلام سے پہلے عرب معاشرے میں موجود تھیں۔ گویا یہ مظاہر جاہلیت کو بعینہ جاہلیت سمجھ بیٹھے اسی لئے وہ اس کی ایک خاص شکل ایک مخصوص زمانے اور جزیرہ نمائے عرب کے اس علاقے میں متعین کر لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ جاہلیت ختم ہوگئی۔ اب کبھی بھی اور کہیں بھی جاہلیت رونما نہیں ہوسکتی۔

جبکہ دیگر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جاہلیت علم وتمدن، مادی ترقیات، فکری، اجتماعی، سیاسی اور انسانی اقدار کے بالمقابل ہے، چنانچہ وہ اپنی ساری قوتیں یہ ثابت کرنے میں لگا دیتے ہیں کہ عرب جاہلیت زدہ نہیں تھے (انہی میلانات سے مجبور ہو کر جن کے بارے میں نبی ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے) کیونکہ ان کے خیال میں عرب علم وفن سے اچھے خاصے واقف اور کافی حد تک تہذیب آشنا تھے وہ سخی اور بہادر تھے مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کرتے تھے اور شرافت کے حصول میں جان تک کی بازی لگا دیتے تھے اسی قسم کی ان میں اور بہت سی خوبیاں تھیں۔ اس لئے قرآن کا عربوں کے اس دور کو جاہلیت کا نام دینا کسی تاریخی حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔ چہ جائیکہ بیسویں صدی میں جاہلیت کے دور کی باتیں کی جائیں جبکہ اس صدی میں انسان مادی ترقیات کی ان بلندیوں تک پہنچ چکا ہے۔ جن ترقیات کا اس دور سے قبل تصور بھی مشکل تھا۔

ہماری نظر میں یہ دونوں ہی طبقے جاہلیت کے حقیقی معنی اور قرآن کی اصل منشاء سے قطعی ناواقف ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جاہلیت معاشرے کی کسی مخصوص شکل اور تاریخ کے کسی خاص دور کا نام نہیں

ہے بلکہ جاہلیت، معاشرے کی ایک کیفیت کا نام ہے البتہ اس کے مظاہر معاشرے کی حالت اور زمانے کی رفتار کے مطابق بدلتے رہتے ہیں مگر سب صورتوں میں قدر مشترک یہی ہوتی ہے کہ سب ہی جاہلیت کے نوع بہ نوع پیکر ہیں۔ اگرچہ ہر پیکر اپنی ظاہری شکل میں دوسرے سے مختلف ہے۔ اس لحاظ سے خواہ تذکرہ اسلام سے پہلے کی جاہلیت کا ہو یا دور جدید کی جاہلیت کا، یہ جاہلیت علم وفن، مادی ترقی اور انسان کی فکری اور سماجی اقدار کی ضد اور اس کے منافی نہیں ہے۔

بلکہ قرآن کریم کے منشاء و مراد کے مطابق جاہلیت اِس نفسیاتی کش مکش کا نام ہے۔ جس میں پھنس کر لوگ اللہ کی ہدایت کو قبول نہیں کرتے اور وہ انتظامی ڈھانچہ ہے جو اللہ کے نازل کردہ احکام کو نہیں مانتا۔

افحکم الجاھلیة یبغون ومن احسن من الله حکما لقوم یوقنون۔

(اگر یہ خدا کے قانون سے منہ موڑتے ہیں) تو کیا پھر جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں۔ حالانکہ جو لوگ اللہ پر یقین رکھتے ہیں۔ اِن کے نزدیک اللہ سے بہتر فیصلہ کس کا ہو سکتا ہے۔ (سورہ المائدہ)

قرآن کے بیان کردہ مفہوم کو سامنے رکھتے ہوئے۔ جاہلیت۔۔۔ علم وفن، تہذیب وتمدن یا معاشی برتری کے متصادم اور متقابل نہیں ہے بلکہ جاہلیت دراصل اللہ کی ہدایت اور اللہ کے حکم کے بالمقابل ہے۔ جہاں اللہ کی ہدایت کو ٹھکرایا اور اِس کے حکم سے روگردانی کی۔ وہیں جاہلیت آموجود ہوئی۔

قرآن نے یہ کہیں نہیں کہا کہ عربوں کا زمانہ اس لیے دور جاہلیت تھا کہ وہ فلکیات، طبیعات کیمیا اور طب سے واقف نہیں تھے۔ یا انہیں سیاسی انتظام نہیں آتا تھا۔ یا وہ مادی پیداوار کرنے سے قاصر تھے۔ یا اِن میں سرے سے کوئی خوبی ہی نہ تھی یا اِن کے پاس مطلقاً کسی قسم کی اقدار ہی نہ تھیں۔

اگر قرآن کا یہی کچھ مطلب ہوتا تو وہ اِسی قسم کا کوئی متبادل نظام اِنہیں دے دیتا۔ اِنہیں علمی جہالت کے بدلے میں علمی، فلکی، طبیعیاتی، کیمیائی اور طبی معلومات فراہم کر دیتا۔ سیاسی جہالت

کے بدلے انہیں نئے سیاسی افکار عطا کر دیتا اگر ان کے معاشرے میں مادی پیداوار کی کمی
ان کو ایسے طریقے بتا دیتا جن سے پیداوار میں اضافہ ہوسکتا اور پہلے کی نسبت بہتر پیداوار ہوتی
اگر ان کے معاشرے میں اچھی عادتوں اور بہتر اقدار کی کمی تھی تو وہ ان کو کچھ ایسی خوبیاں اور
ایسی اقدار بخش دیتا۔ جو کسی ٹھوس اخلاقی نظام میں پیوستہ ہونے کے بجائے معاشرے میں
بے ربط سی بکھری ہوئی ہوتیں۔

لیکن قرآن نے نہ تو عرب معاشرے میں اِسطرح کی کسی کمی کی نشاندہی کی اور نہ ہی اس کو
دور کرنے کیلئے کوئی متبادل نظام دیا۔

قرآن نے تو انہیں جاہلیت سے اِس بنا پر متصف قرار دیا کہ وہ اللہ کے حکم کی نافرمانی کرکے
اپنی خواہشات کے بندے بنگئے تھے۔۔۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اِس جاہلیت کے بدلے اسلام عطا
کیا۔ اور اِنسانیت کو پرکھنے کے لئے اُسلام کی کسوٹی بنا دیا اور بتا دیا کہ جو کچھ اِسلام کے خلاف
ہے وہ جاہلیت ہے۔ خواہ جاہلیت عرب ہو یا تاریخ کی کوئی اور جاہلیت۔

قرآن نے جا بجا گزشتہ اقوام اور اِن کی تہذیب وتمدن کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ
یہ اقوام عربوں سے کہیں زیادہ متمدن تھیں۔ لیکن قرآن کہتا ہے کہ یہ اقوام جاہلیت کی زندگی گزار
رہی تھیں۔ کیونکہ اُنہوں نے اپنی زندگی کی تعمیر اللہ کی ہدایت کے مطابق نہیں کی تھی۔

اولم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبة الذین من قبلهم کانوا اشد منهم قوة واثاروا الارض وعمروها اکثر مما عمروها وجاء تهم رسلهم بالبینات فما کان الله لیظلمهم ولکن کانوا انفسهم یظلمون ثم کان عاقبة الذین اساؤا السوآی اِن کذبوا بآیات اللهِ وکانوا بِها یستهزءُ ونَ ٥

کیا انہوں نے زمین میں سیاحت کر کے گذشتہ اقوام کے انجام کو نہیں دیکھا۔ وہ تو اِن سے
زیادہ طاقت ور تھے اور انہوں نے زمینیں خوب جوتیں اور جس قدر انہوں نے زمین کو آباد کیا ہے
اس سے کہیں زیادہ انہوں نے آباد کیا تھا اور اِن کے پاس ان کے رسول کھلی کھلی نشانیاں لے کر
آئے ، پھر اللہ تو ان پر ظلم کرنے والا نہ تھا، مگر وہ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کر رہے تھے۔ آخرکار جن

لوگوں نے برائیاں کی تھیں۔ ان کا انجام بہت برا ہوا، اس لئے کہ انہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور وہ ان کا مذاق اڑاتے تھے۔ (سورہ روم ۹۔۱۰)

غور فرمایئے قرآن جاہل عربوں کی توجہ گذشتہ جاہلی اقوام کی طرف مبذول کرا رہا ہے، تا کہ وہ ان کے انجام پر غور کریں اور اس سے ڈریں اور اللہ کی آیات کو نہ جھٹلائیں بلکہ ان پر ایمان لائیں اور ہدایت حاصل کریں۔ اگر چہ یہاں پر قرآن نے جاہلیت کا لفظ استعمال نہیں کیا ہے لیکن پھر بھی معنی وہی ہیں۔ قرآن جاہلی عربوں سے کہتا ہے کہ یہ اقوام بھی جاہلیت میں تمہاری ہم پلہ تھیں۔ باوجودیکہ وہ زیادہ طاقت ور تھیں۔ انہوں نے تم سے زیادہ زمین کو آباد کیا تھا۔ ان کے پاس تہذیب وتمدن بھی تھا۔ لہٰذا تمہارے لئے خیر اسی میں ہے کہ تم اس جاہلیت سے باہر آ جاؤ۔ جس جاہلیت میں تم اور وہ بگڑی ہوئی قدیم قومیں برابر کی شریک ہیں۔ اب تم اللہ کی ہدایت قبول کر لو اور مسلمان ہو جاؤ۔

غرض قرآن کی نظر میں جاہلیت اس نفسیاتی کش مکش کا نام ہے جس میں مبتلا رہ کر لوگ اللہ کی ہدایت قبول نہیں کرتے اور وہ انتظامی ڈھانچہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کو نہیں مانتا۔ اللہ کی ہدایت کو قبول نہ کرنا اور اس کے نازل کردہ احکام کو ٹھکرا دینا۔ انسانی معاشرے کا ایسا بگاڑ ہے جس کے نتائج اتنے بھیانک ہوتے ہیں کہ ساری انسانی زندگی ایک اذیت ناک کرب اور بے چینی کا شکار ہو جاتی ہے اور بیمار انسانیت کی بدبختی اپنی انتہاء کو پہنچ جاتی ہے۔

مذکورہ بالا قرآنی مفہوم کے پیش نظر یہ حقیقت تسلیم کرنا پڑے گی کہ جاہلیت نہ تو اسلام سے پہلے کے عرب معاشرے کا نام ہے اور نہ ہی جاہلیت تاریخ کے کسی مخصوص دور کو کہا جاتا ہے بلکہ یہ ایک ایسی حالت کا نام ہے جو اللہ کی ہدایت سے بے نیازی برتنے اپنی خواہشات نفس کے اتباع کرنے اور اللہ کے نازل کردہ احکام سے روگردانی کرنے کے نتیجے میں کسی بھی جگہ اور کسی وقت بھی رونما ہو سکتی ہے خواہ انسانیت مادی ترقی تہذیب وتمدن کے عروج اور فکری اور سیاسی ارتقاء کے لحاظ سے کتنی ہی بلند معراج تک پہنچ چکی ہو۔ گویا دوسرے الفاظ میں جاہلیت ہوائے نفس کی اتباع ہی کا دوسرا نام ہے۔

لہٰذا جو لوگ ہوائے نفس کی پیروی کرتے ہیں اور اللہ کی نازل کردہ ہدایت سے روگرداں

ہیں، وہ جاہلیت میں مبتلا قرار پاتے ہیں، کیونکہ وہ ہدایت الٰہی سے اعراض کئے ہوئے ہیں، خواہ اپنے منبع علم کے لحاظ سے، اپنے تمدن کے لحاظ سے، اپنی مادی ترقی کے لحاظ سے، اپنی سیاسی اور اقتصادی تنظیم کے لحاظ سے کتنے ہی بلند مرتبہ نظر آتے ہوں، اور وہ اپنی اس جاہلیت کے سبب ان نتائج سے ضرور دوچار ہو کر رہیں گے۔ جو جاہلیت کے لازمی نتائج ہیں، یعنی اضطراب و کرب اور حرمان و خسران۔

غرض وہ صرف عرب ہی نہ تھے جو اسلام سے پیشتر جاہلیت میں زندگی گذار رہے تھے بلکہ ان کی طرح ہر وہ قوم جاہلیت کا شکار قرار پائے گی جس نے ہدایت الٰہی سے انحراف کیا اور ہوائے نفس کی پیروی کی۔

جو سادہ لوح لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ جاہلیت صرف وہی ہے جو اسلام سے پہلے عربوں کی زندگی کا ایک دور تھا ہم چاہتے ہیں کہ اِن کو جاہلیت کی حقیقت اچھی طرح ذہن نشین کرا دیں، تا کہ ان کو یہ بھی اندازہ ہو جائے کہ وہ اِس بیسویں صدی میں کس قسم کی زندگی گذار رہے ہیں؟ آزاد خیال طبقے سے ہم کہیں گے کہ وہ کسی قسم کے تعصب کا شکار ہو کر اسلام سے پہلے کے عربوں کی مدافعت نہ کریں۔ اِس مدافعت کا کوئی فائدہ باقی نہیں رہا ہے۔ وہ یہ کبھی نہیں ثابت کر سکتے کہ جاہلی عرب علمی ترقیات، سیاسی اور اجتماعی نظام اور فکری اقدار میں موجود بیسویں صدی سے زیادہ ترقی یافتہ تھے۔ جبکہ ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ بیسویں صدی کی جاہلیت چودہ صدی پیشتر عربوں کی جاہلیت سے زیادہ بھیانک ہے بلکہ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ بیسویں صدی کی جاہلیت ہر اس جاہلیت سے بھیانک ہے جس کا کوئی تاریخی وجود رہا ہو!!۔

عربی جاہلیت تو ایک سیدھی سادھی جاہلیت تھی۔ سیدھے سادے محسوس مگر کھوکھلے بتوں کی پوجا کر لی اور بس! کچھ عجیب سے تصورات تھے۔ بیشک یہ تصورات راہ راستے ہٹے ہوئے تھے۔ لیکن راہ راست سے انحراف میں بھی یک گونہ سادگی تھی گہرائی نہ تھی۔ دیگر قبائل پر قریش کی گرفت سخت تھی۔ قریش اپنی مصلحتوں اور سیادت کی خاطر حق و انصاف کا راستہ روک کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ اگرچہ یہ ساری خرابیاں ہر جاہلیت میں موجود ہوتی ہیں۔ لیکن عربوں میں یہ خرابیاں ظاہری تھیں اور کھلم کھلا تھیں ان میں کسی قسم کی پیچیدگی نہیں تھی۔ وجہ یہ تھی کہ جاہلیت کا فساد ان کے صرف

خارجی مظاہر پر اثر انداز ہوا تھا اور ابھی تک اِس فساد نے اِن کی فطرت کو مسخ نہیں کیا تھا۔ جونہی حق وصداقت نے اس ظاہری گلے ہوئے چھلکے کو اتار پھینکا۔ فوراً انکی سادہ فطرت حق کے سامنے سرنگوں ہوگئی اور ساری تاریکیاں چھٹ گئیں۔

اس کے برخلاف جاہلیت جدیدہ زیادہ دلدل والی، زیادہ خبیث اور زیادہ سخت گیر ہے کیونکہ یہ علمی جاہلیت ہے! یہ بحث ونظریات کی جاہلیت ہے! یہ جمے ہوئے گہرے انتظام کی جاہلیت ہے یہ آنکھوں کو خیرہ کرنے والی مادی ترقیات کی جاہلیت ہے۔

یہ جاہلیت ہے اِس دھوکہ اور فریب کی۔ جس کو انسان کی ہلاکت کے لئے باقاعدہ علمی بنیادوں پر مرتب کیا گیا ہے اور یہ ایسی جاہلیت ہے جس کی مثال پوری انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔

ہمارا مقصد بیسویں صدی کی اِسی ظاہری شان وشوکت کا پردہ چاک کرنا ہے اور دکھلانا ہے کہ اس پردہ زنگاری کے پیچھے گندگی اور غلاظت کے کس قدر متعفن کیڑے کلبلا رہے ہیں۔

ہم جاہلیت کے اسباب اور جاہلیت کے چھوڑے ہوئے آثار کی نشاندہی کریں گے اور یہ بھی بتائیں گے کہ جاہلیت اِنسانی تصورات پر کس طرح اثر انداز ہوتی ہے اور ماضی میں جاہلیت نے انسانی زندگی پر کیا اثرات چھوڑے ہیں اور مستقبل میں یہ کن نتائج کا پیش خیمہ بننے والی ہے؟ ہم نے اس کتاب میں موجودہ دور کے سارے مشاہدات بیان کر کے جاہلیت کو بے نقاب کرنے کی کوشش کی ہے۔

اِس مطالعہ کا مقصد یہ بھی ہے کہ ہم اِنسانیت کو ایک خوش گوار مستقبل کی بشارت دے دیں۔ جس مستقبل پر ہمارا ایمان ہے۔۔۔ جس وقت لوگ تاریکیوں سے نکل کر روشنی میں آ جائیں گے۔ مجھے معلوم ہے یہ کام نہ ایک کتاب کر سکتی ہے اور نہ ایک ہزار کتابیں! البتہ مجھے دو باتوں کا یقین ضرور ہے۔ پہلی بات یہ کہ کلمات رائیگاں نہیں جائیں گے۔ اگرچہ کچھ دنوں کانوں کو ناگوار معلوم ہوتے رہیں گے۔ دوسری بات جس پر مجھے یقین ہے یہ ہے کہ درحقیقت تاریکی سے نکل کر روشنی کی طرف آنے کا زمانہ آ چکا، تاریکیوں میں روشنی کی ایک کرن پھوٹتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں اور اسی کرن کی روشنی میں یہ کتاب لکھ رہا ہوں۔ بیشک اللہ جسے چاہے توفیق دے۔ (جاری ہے) (مذکورہ بالا مضمون ممتاز مصری عالم محمد قطب کی کتاب "جدید جاہلیت" کا مقدمہ ہے)

عالم اسلام کو درپیش مسائل

(کے ایم اعظم)

1974 میں لاہور میں منعقدہ عظیم الشان اسلامی سربراہی کانفرنس نے مسلم اُمہ میں ارتعاش سا پیدا کر دیا اور وہ پر امید ہو گئی کہ اِس کا بے کسی و مسکنت کا دور اب ختم ہونے کو ہے۔ اِنہی ایام میں میری تعیناتی اقوام متحدہ کے دفتر اقلیمی، قاہرہ میں ہو گئی اور اِس طرح میں عالم اسلام کے دل میں بیٹھ کے عالمی بساط پر کھیلی جانے والی چالوں کا عینی شاہد بن گیا۔

مسلمان ممالک نے اپنے تیل کے ذرائع پر اپنی حقیقی ملکیت قائم کرتے ہوئے، تیل کی قیمتوں میں گیارہ گناہ اضافہ کر دیا اور کھلی منڈی میں طلب و رسد کے اصول کے مطابق ان میں دن بدن اضافہ ہونا شروع ہو گیا۔ دولت کا رُخ ایران اور عرب ممالک کی طرف ہو گیا، جس کے طفیل وہاں بے پناہ خوشحالی کا دور دورہ شروع ہو گیا۔ پھر 1979 کے ایران کے اِسلامی انقلاب نے یورپ اور امریکہ میں مسلمانوں کی دھاک بیٹھا دی۔ اقوام متحدہ کے گورے محرر ہمیں اُٹھ اُٹھ کر سلام کرنے لگے۔ اِن ہی دنوں میں لبنان کی ایک نازک اندام دوشیرہ نے تین سو سے زائد امریکی مرینز کو کیفر کردار پہنچا دیا اور امریکی لبنان سے دم دبا کر نکل گئے۔ انہی ایام میں روم میں منعقدہ ایک اجلاس کے دوران میں نے اپنے ایک امریکی دائریکٹر کو یہ کہہ کے دبکا دیا کہ اب دنیا میں آسان ترین کام امریکنوں کی پٹائی ہے۔ مگر یہ تبدیلی دیر پا ثابت نہ ہوئی۔ اُمہ کی امیدیں ٹوٹنے لگیں اور اِس کے خواب پریشان ہونے لگے۔ اسلامی نشاۃ ثانیہ کے دو موثر داعی، ذوالفقار علی بھٹو اور شاہ فیصل، مغربی سازشوں کا شکار ہو گئے۔ مغرب نے بڑی محنت اور حکمت سے عالم اسلام پر ایک بار پھر اپنا تسلط مستحکم کر لیا۔ اقوام متحدہ کے محرروں نے ہم سے پھر اپنی پرانی بے رُخی اختیار کر لی۔

میرا دیرینہ سوال کہ خاتم الرسل، رسول عالی مرتبت ﷺ کی، قافلہ عشق بلا خیز کی وارث اُمت اتنی بے کس و فرومایہ کیوں ہے؟ ایک بار پھر شدت کے ساتھ ابھر کے سامنے آیا۔ ملت مسلمہ کا غم بڑھ کر ایک سلگتا ہوا ھم بن گیا۔ بالآخر یہ جان گسل ھم ناسور بن کے جان کے درپے ہوا اور صورت کچھ ایسی بنی کہ

دل کے پھپھولے جل اُٹھے سینے کے داغ سے

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

اس ابتلا کے بعد اللہ نے توفیق دی اور میں جانفشانی سے اِس سوال کا جواب تلاش کرتا رہا۔ شعور و فہم پر پڑے پردے ایک ایک کر کے اُٹھنے لگے۔ ایک سوال یہ تھا کہ عالم اسلام میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے نام پر اُٹھنے والی تحریکیں آخر کامیاب کیوں نہیں ہو رہیں؟ حالانکہ بقول ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی ہندو پاکستان میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے جدوجہد کے پہاڑ ضائع ہو گئے۔ اب جب کہ پاکستان میں مختلف رنگ کی اسلامی جماعتوں کے سالانہ اجتماعات میں تقریباً 30 لاکھ سرگرم کارکن جمع ہونے لگے ہیں تو وہی سوال پھر اُبھر کر سامنے آتا ہے کہ اتنی بڑی اسلامی حرکت کے باوجود ہمارے اِس وطن عزیز کے حالات سال بہ سال، ماہ بہ ماہ، دن بدن بدتر کیوں ہوتے جا رہے ہیں ہماری تبلیغ آخر اتنی بے اثر کیوں ہے؟ ہمارا جہاد رائیگاں کیوں جا رہا ہے؟ آخر کیا کمی ہے جس کی وجہ سے ہمارا مقتدر اِسلامی مشن کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو رہا؟ اللہ جل جلالہ اور رسول عالی مرتبت ﷺ کے نام پر معرض وجود میں آنے والی اِس مملکت خداداد میں خاتم الرسل ﷺ کا دین قیم آخر رائج کیوں نہیں ہو پا رہا، گزشتہ پچاس سالوں میں کئی ایک بار نفاذ اسلام کی پرجوش تحریکیں اُٹھیں مگر سب کی سب یا تو زمینی حقائق کی سنگلاخ چٹانوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گئیں یا پھر دینی اکابرین کے ذاتی مفادات کے نذر ہو گئیں۔ دوسرے الفاظ میں نفاذ اسلام کے بلند بانگ نعرے تو لوگوں نے بارہا سنے مگر نتیجہ کچھ بھی نہ دیکھا۔ اِن حالات میں پاکستان میں ایک تشویشناک روش دیکھنے میں آ رہی ہے اور وہ ہے لوگوں کی اسلام سے روز بروز بڑھتی ہوئی بیزاری۔ جب اسلام عوام کے مسائل حل نہ کر پائے گا تو لوگوں کا اس کے بلند بانگ نعروں سے بیزار ہونا ایک قدرتی ردعمل ہوگا۔ دوسری طرف بے مروت، رجعت پسند اور متشدد اسلامی تحریکیں لوگوں کو دین سے قریب لانے کی بجائے دور کر رہی ہیں۔ صدیوں پر محیط ناکامیوں کے بعد مسلمان اپنے دین اور اپنے آپ سے بددل اور ناامید ہو رہے ہیں۔ اس لئے انہیں کوئی تبدیلی کا آسان راستہ بھی بتائے تو وہ یقین نہیں کرتے اور ان کی توجہ آسانیوں کی بجائے مشکلات پر مرکوز رہتی ہے۔

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی شریعت تو فقط تقریباً ایک سو احکامات پر مبنی ہے، جسے ا
قلیل مدت میں بعد از تدوین رائج کیا جا سکتا ہے اور ایسا کرنے کے لئے مقننہ میں تین چوتھ
اکثریت کی بھی ضرورت نہیں۔ جب کہ فقہ کی تدوین تو ایک محنت اور وقت طلب کام ہے
بتدریج ہی ہو سکتا ہے۔ شریعت اور فقہ میں فرق نہ کر کے ہمارے علماء اور دانشور ملی انتشار
باعث بن رہے ہیں، اور بیچارے عوام اتنا بھی نہیں جانتے کہ پندرھویں آئینی ترمیم نف
شریعت کا بل نہ تھی، صرف شریعت نافذ کرنے کے ارادے کا اظہار تھی۔ مجھے اِس امر کا شدی
سے احساس تھا کہ ایک بار پھر ہمارے حکمران وقت اسلام کو اپنے وقتی مفادات کے ل
استعمال کر کے لوگوں میں اسلام کے لئے مزید بددلی پھیلا دیں گے۔ اور ہوا بھی یہی کہ ساب
وزیر اعظم نے شریعت بل کا قضیہ کھڑا کر کے اسلام کو ایک بار پھر نزاعی سیاسی مسئلہ بنا دیا حالانک
ایسا کرنے کی اِن کو چنداں ضرورت نہ تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اچھے بھلے روایتی مسلمان بھی شریعت
کے خلاف زہر افشانی کرنے لگے۔ قوم کو اِس ناپسندیدہ صورت حال سے بچانے کے لئے میر
نے نفاذ شریعت کا ایک آسان اور مفصل طریق کار روزنامہ نیشن مورخہ 12 اور 19 جولائی او
نوائے وقت مورخہ 21 تا 24 جولائی 1998ء میں پیش کیا تھا، جو بعد میں دنیا کے کئی ایک
اخبارات اور مجلّات میں بھی شائع ہوا۔ مگر مجال ہے کہ ہمارے اہل حل وعقد نے اِس پر ذرا بھ
توجہ فرمائی ہو۔ مسائل کا حل تو کبھی بھی ہمارے حکمرانوں کا وطیرہ نہیں رہا۔ اِن کا واحد مقصد
حیات تو اپنے اقتدار کا دوام اور اپنے ذاتی دشمنوں کا زوال ہوتا ہے۔

پاکستان کو معرض وجود میں آئے نصف صدی بیت چکی ہے۔ اِس طویل عرصے میں اسلام
کے آفاقی نصب العین کی طرف پیش رفت تو درکنار، ہم نفاذ اسلام کا مرحلہ بھی نہ طے کر
پائے۔ چنانچہ ہم دنیا کو یہ بتانے کے بھی قابل نہیں کہ اسلام، اقتصادی اور معاشرتی مسائل، جو
آج کے انسان کو درپیش ہیں اس طرح حل کرتا ہے۔ عملی مثال کے نہ ہونے کی وجہ سے کوئی بھی
اسلام کے متعلق ہمارے بلند بانگ نعروں پر اعتبار نہیں کرتا۔ آج تو حالات اِس ڈگر کو پہنچ گئے
ہیں کہ ملک میں دہشت گردی اور قتل وغارت کا بازار گرم ہے۔ مسجدیں تک محفوظ نہیں رہیں اور
اسلام وحدت سازی کے اعتبار سے بے اثر ہوتا جا رہا ہے۔ اگر وحدت خیز قوت کی حیثیت سے

اسلام پاکستان میں ہی بے اثر رہ گیا تو دنیا میں انسانی اخوت کی ایک عالمگیر تحریک برپا کرنے میں کیا کردار ادا کر سکے گا۔ عمومی طور پر قومیت اور مادیت سے مغلوب مسلمان اسلام کی آفاقیت کو صحیح تناظر میں دیکھنے سے قاصر ہیں اور انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ صحیح مسلمان بس ایک روایتی مسلمان ہوتا ہے۔ ستم ظریفی تو یہ ہے کہ اِس پس منظر میں انسان دوستی، احترام آدمیت اور ظلم کے خلاف جہاد کے اسلامی نظریات کا علم اب اِن قوموں نے اٹھالیا ہے جن کی وطنی قومیت اور دہریانہ مادہ پرستی نے دنیا میں ہر سو ظلم وستم کا بازار گرم کر رکھا تھا۔

ہمارے لئے غور وفکر کا ایک نہایت ہی اہم مسئلہ بھی ہے کہ چلیں انگریزی زبان میں تعلیم یافتہ طبقہ کی ناقص تعلیم وتربیت کے لئے تو ہم انگریزوں کو ملعون قرار دے سکتے ہیں، لیکن اگر ہمارے مشائخ اور علماء کا کردار ہی قابل ستائش نہ ہو تو اِس کے لئے کسے ذمہ دار ٹھہرائیں گے۔

اِس سلسلے میں ایک غور طلب بات یہ ہے کہ مسلمان ہندوستان میں تقریباً آٹھ سو برس حکمران رہے۔ گو اِس طویل دور میں ملک ہمہ وقت اسلام کی درخشاں ہستیوں سے فیض یاب رہا، مگر ان میں سے کسی ایک نے بھی کسی اسلامی جماعت کی داغ بیل نہ ڈالی اور نہ ہی سرفرازی اسلام کیلئے کوئی تحریک چلائی گئی مگر اِن علماء، فقہا اور صوفیاء نے اپنے اخلاق، تقویٰ اور بے غرض ایثار کی ایسی مثالیں قائم کیں کہ اتنا عرصہ گذر جانے کے بعد وہ آج بھی مسلمانوں کے دلوں کو گرماتی ہیں۔ ہمارے اسلامی اکابرین اسلام کے چلتے پھرتے نمونے ہونے چاہیں۔ جب ہمارے علماء اور مشائخ ہی طاغوت کا شکار ہو جائیں گے۔ تو اِن کے منہ سے دین کی بات دین کو بدنام کرنے کے مترادف ہوگی۔ جب تک کسی تحریک کی داعی قیادت کے کردار اعلیٰ اور ارفع نہ ہوں گے اور اِن کی زندگیاں تحریک کے اغراض ومقاصد سے مطابقت نہیں رکھیں گی، تو اِس وقت تک اِس تحریک کی کامیابی کی امید نہیں کی جاسکتی۔ پاکستان کی اسلامی تحریکوں میں یہ روایت زور پکڑ گئی ہے کہ وہ بند کمروں میں بھی اپنی تعریف ہی کرتے ہیں اور اِس غلط فہمی میں مبتلا رہتے ہیں کیونکہ وہ ظاہراً اسلامی کام ہی کر رہے ہیں اس لئے انہیں اللہ کی خوشنودی حاصل ہے، جیسے انصاف کا ترازو اللہ کے ہاتھ میں نہیں، ان کے اپنے ہاتھ میں ہو۔ زمینی حقائق تو یہ پتہ دے رہے ہیں کہ اب تک رضوان اللہ کے حصول میں کامیاب نہیں ہوئے ورنہ جب اللہ کی

خوشنودی حاصل ہو جائے تو کسی اور کی خوشنودی کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

دراصل ہمارے علماء کی خود پرستانہ اور ذاتی مفادات کی طرف مائل تفسیریں اور فقہی ترجیہات موجودہ دور کے بڑے بت ہیں۔ دینی جماعتیں اور فرقے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول عالی مرتبت ﷺ سے زیادہ توجہ اپنے لیڈر یا امیر کو دیتے ہیں۔ اِن کے اجتماعوں میں اللہ تعالیٰ اور اِس کے رسول عالی مقام ﷺ سے بڑھ کر ذکر اِن کے اپنے حضرت یا مولانا کا ہوتا ہے۔ مختلف دینی جماعتوں اور تحریکوں کا یہ رویہ امت مسلمہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر رہا ہے۔ اور اصل میں یہی فساد کی جڑ ہے۔ ہر جماعت صرف اپنے آپ کو دین کا سچا محافظ خیال کرتی ہے اور اِن جماعتوں کے کارکنوں کا خودستائی و پارسائی کا مغرورانہ رویہ مسلم عوام کو اپنے دین سے دور کر رہا ہے۔ ستم ظریفی تو یہ ہے کہ یہ مولانا حضرات امت کو متحارب فرقوں میں بانٹ کر اِن ہی میں تفرقہ ختم کرنے کے لئے روز بروز آپس میں ملتے بھی رہتے ہیں۔ شاید ہمارے ایسے ہی زعما کے لئے ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "جن کے دلوں میں کجی ہوتی ہے اِن کو گمراہ کرنے کے لئے میری یہ کتاب ہی کافی ہے" (سورۃ آل عمران۔ 7)۔ ان دینی زعما کا ایک اور المیہ یہ ہے کہ "وہ جو کہتے ہیں، وہ کرتے نہیں" (سورۃ الصف۔ 2) اور عوام سے جھوٹے وعدے فرما کے اپنے آپ کو اور اپنے دین کو بدنام کرتے ہیں۔ اسلامی نظام کے قیام کے سلسلے میں وہ اہداف اور اسباب میں تمیز کرنے سے قاصر رہتے ہیں، مثلاً اِس دور میں ان کی اولین توجہ ربا کے خاتمے پر مرکوز رہتی ہے حالانکہ ربا کا خاتمہ اِن کئی طریقوں میں سے ایک ہے، جن کو ایک عدل و مساوات پر مبنی اسلامی معاشرہ کے قیام کے سلسلے میں بروئے کار لانا ہوگا۔

اسلام کا مقصد ایک ایسا معاشرہ کی تشکیل ہے جس کے تحت انسان کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کا خوف نہ رہے اور اللہ کے سوا اسے کسی اور کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی حاجت نہ ہو اور وہ جب حصول رزق کے لئے اپنے گھر سے نکلے تو اِس کی اپنی اہلیت و قابلیت کے سوا کوئی اور رکاوٹ اِس کے راستے میں حائل نہ ہو۔ اگر اس میں کوئی کمی من جانب اللہ ہو تو ریاست کا نظام احسان وہ کمی پوری کردے۔ معاشرتی و معاشی نظام ایسا ہو کہ اِسے تعلق باللہ کی نشو و نما کے لئے بھی فراغت مل جائے، جس کی برکت سے اِس میں فقط اپنے حقوق کی بجائے، اپنے فرائض

اور دوسروں کے حقوق کا شعور بھی اجاگر ہو جائے۔

اسلام زمین کے ساتھ انسان کے تعلق کو اتنا اجاگر نہیں کرتا کہ اللہ سبحان تعالیٰ کے ساتھ اس کا تعلق ماند پڑ جائے اور وہ دنیا کا ہی ہو کے رہ جائے۔ اسلام رنگ و نسل و زبان اور وطنیت کی نفی کر کے توحید کی بناء پر ایک روحانی الذہن قوم کی تشکیل کا خواہاں ہے۔ اسلام زمین اور خون کے رشتوں کی بجائے انسانی وحدت کا ایک مشترکہ نصب العین، عالمگیر اخوت انسانی اور احترام آدمیت کے اصولوں پر استوار کرنا چاہتا ہے۔ حدیث نبویؐ شریف ہے۔ "**الخلق عیال اللہ**"۔

اسلام مادہ پرستی کی بجائے زندگی کی بنیاد روحانیت، تعلق باللہ اور تقویٰ پر رکھتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ انسان پھلے پھولے تو زمین پر مگر اس کی جڑیں آسمان پر ہوں۔ اسلام کا مرکزی سوال یہ ہے کہ انسان کو زمین کی محبت اور مادہ پرستی سے کیسے آزاد کیا جائے؟ آج کے دور کی بے لگام مادہ پرستی کی وجہ سے انسان کے تین بنیادی تعلقات مسخ ہو کے رہ گئے ہیں اور یہ ہیں بندے اور اللہ کے درمیان تعلق، انسان اور انسان کے درمیان تعلق اور انسان اور ماحولیات کے درمیان تعلق۔ عموماً ہم اِن حیات بخش تعلقات میں اپنے پورے من و تن کے ساتھ داخل نہیں ہوتے بلکہ اپنی ذات کی کی ایک کسر کے ساتھ ہی یہ مقدس رشتے استوار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہماری اِس مجہول کوشش کی وجہ سے ہمارا اللہ کے ساتھ رشتہ جزوی، انسان کے ساتھ رشتہ مطلبی اور ماحول کے ساتھ استحصالی ہو کے رہ جاتا ہے۔

وطنی قومیت، دین و ریاست کی دوئی اور دہریانہ مادہ پرستی دور حاضر کے تین فتنے ہیں۔ یہ تینوں فتنے ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ لادینیت ہی مادہ پرستی کی اساس ہے اور مادیت کا وطنی قومیت کے ساتھ چولی دامن کا ساتھ ہے۔ مادیت سے ہی غلبہ بالقوہ کا تصور اُبھرتا ہے، جو تشدد کو جنم دیتا ہے۔ جب مادیت زیادہ زور پکڑتی ہے تو وطن پرستی سے نسل پرستی، علاقہ پرستی، مسلک پرستی، اور قبیلہ پرستی کی طرف سفر کرتی ہے اور پھر اللہ کی زمین پر ہر طرف فساد برپا ہو جاتا ہے اور وہ عبادت گاہیں، جن میں صبح و شام اللہ کا نام لیا جاتا ہے، تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔
(سورۃ البقرہ۔ 114)

توحید کی وصولیاتی یا عملی پذیری (realization) بھی ضروری ہے۔ دوسرے الفاظ میں جب تک توحید ہمارے خون میں نہیں رچے گی، کام نہیں بنے گا۔ توحید پر مضبوطی سے قائم ہوئے بغیر ہمارے سارے انسانی رشتے بھی خام و نامکمل رہ جاتے ہیں اور ہماری ساری عبادات ناقابل غور ہو کے رہ جاتی ہیں (سورۃ النساء۔142، سورۃ الماعون۔4) توحید، مخافۃ اللہ، صدق، اخلاص اور اخلاق کو اپنا کر ہی جو نمازیں قائم ہوں گی، وہی قابل قبول ہوں گی اور ہمیں برائیوں اور فحاشی سے بچا سکیں گی۔ ایسی نمازوں کا کیا فائدہ جو کہ ہمارے منہ پر ماری جائیں۔ توحید کے بغیر انسان وہن (دنیا سے محبت اور موت کا ڈر) میں مبتلا ہو کے شکست وریخت کا شکار ہو کے رہ جاتا ہے، کیونکہ دنیاوی خداؤں کا ڈر اور مال و زر کی محبت اس کے اعصاب پر سوار ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ پر مکمل انحصار کیے بغیر انسان کو اللہ کی مدد، خوشنودی اور برکات حاصل نہیں ہوتی اور یہی ہماری دنیاوی ناکامیوں کی وجہ ہے۔ جب ہم توحید پر قائم ہوں گے تو ہمارے لئے وطن پرستی، نسل پرستی، علاقہ پرستی، جماعت پرستی اور مسلک پرستی بے معنی ہو کے رہ جائیں گی۔

ہماری قوم تعبیر کی دو بنیادی غلطیوں کی وجہ سے پریشان حال ہے اور اسے مسلسل کوشش کے باوجود قومی انحطاط کا کوئی حل نظر نہیں آ رہا۔ پہلی تعبیر کی غلطی ہمارے ممدوح سر سید احمد خان سے ہوئی جب انہوں نے قوم رسول ہاشمی کی ترکیب کو اقوام مغرب پر قیاس کر کے اسے زوال سے نکالنے کا جو طریق کار مادہ پرستی، ملازمتوں کے حصول اور انگریزوں کی رضا جوئی کی شکل میں پیش کیا وہ دور اندیشی اور تاریخ کے عمیق فہم پر مبنی نہ تھا۔ ان کی تحریک کا مہلک نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانان ہند اپنے شاندار اور محترم ماضی سے آہستہ آہستہ دور ہو گئے۔ ایک اجنبی زبان کے ذریعے تعلیم و تدریس کے فیصلے نے برصغیر کے باشندوں کو ذہنی مرعوبیت اور مغلوبیت کا شکار کر کے ان کی تربیت کے سلسلے میں بڑی حد تک منفی کردار ادا کیا۔

قوم ابھی اس ضرب شدید سے سنبھلنے نہ پائی تھی کہ ہمارے دینی زعماء نے تعبیر کی ایک دوسری دور رس غلطی کر دی۔ انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں ہمارے آباؤ اجداد اور سیاسی و دینی رہنماؤں پر مغربی ترقی و تسلط کا رعب اس قدر تھا کہ وہ اپنی سیاسی

نجات کے لئے مغربی طریق کار کو اپنائے ہوئے تھے۔ وہ مغربی انداز فکر بالخصوص نظریہ آئیڈیالوجی سے بہت متاثر تھے، جس کے تحت افراد کی تھوڑی سی تعداد نے مختصر سے عرصے میں یورپ کے کئی ایک ملکوں پر اپنا تسلط قائم کر لیا تھا۔ یہ مغربی ترقی وتسلط کا اثر تھا کہ ہمارے سیاسی، علمی اور دینی زعماء نے مغربی فکر کو تقریباً کلی طور پر اپنا لیا، یہاں تک کہ تاویل کے ذریعے قرآن کے ابدی پیغام کو بھی مغربی فکر کے ہم آہنگ کرنے کی مسلسل کوششیں کی گئیں۔ اِن کے مغرب کی طرف فکری جھکاؤ نے اِن کو آئیڈیالوجی کی اساس پر غلبہ اسلام کے تصور سے روشناس کروایا۔ یہ اسی سیکولر فکری روایت کا اثر ہے کہ ہمارے دینی زعما اب بھی سسٹم یا نظام کی بات کر رہے ہیں اور اِنہیں اس بات کا احساس نہیں کہ ایک مسلمان کے لئے اس کی باطنی اور ظاہری قوت کا راز تعلق باللہ میں ہے۔ مسلمانوں کی تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ اگر اِنکے حکمرانوں کا اللہ کے ساتھ تعلق برحق تھا تو ہر قسم کے سیاسی نظاموں یا اداروں نے اچھے نتائج پیدا کئے اور جب کبھی یہ تعلق ماند پڑ گیا تو کوئی بھی ادارہ بشمول خلافت اچھے نتائج پیدا نہ کر سکا۔

ہمارے اکابرین کی اِس فکری روش کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہندوستان کے مسلمان نظریاتی، معاشرتی اور روحانی بحران کا شکار ہو گئے جس سے ہم آزادی کے ترپن سالوں بعد بھی نکل نہ پائے۔ شاید ہمارے دینی اکابرین کو تاریخ کا ایک ازلی سبق یاد نہیں رہا کہ وہ قومیں جو موت سے نہیں ڈرتیں، اللہ انہیں حکمران بنا دیتا ہے اور وہ قومیں جو موت سے ڈرتی ہیں انہیں محکوم۔ دراصل توحید ہی انسانوں کو صحیح معنوں میں آزاد کرتی ہے اور وہن ان کو غلام بنا دیتا ہے۔ جب تک ہم پاکستانی اپنے دلوں کو اِس ازلی حق سے آشنا نہ کر لیں گے، ہم ذہنی غلامی، حلقہ بگوشی، [illegible] اور اطاعت غیر کے گورکھ دہندوں میں مقید رہیں گے۔ تعبیر کی اِن دو بنیادی غلطیوں کا خمیازہ ہم آج تک بھگت رہے ہیں۔ جب تک ہم تعبیر کی ان دو بنیادی غلطیوں کی بھول بھلیوں سے نہیں نکلیں گے قومی سلامتی اور دینی فضیلت کا راستہ ہماری نظروں سے اوجھل رہے گا۔

عالم اسلام میں دینی فکر وعمل کی تین لہریں بہ رہی ہیں جن کا عمیق فہم آئندہ کے لئے ایک مثبت لائحہ عمل مجوز کرنے کے لئے نہایت ضروری ہے۔ دنیا میں اسلام کا نفاذ دو متحارب قوتوں کا شکار ہو رہا ہے۔ ایک طرف تو ہمارے مغرب زدہ دانشور ہیں، جو مسلمانوں کے مسائل کو

مغربی تاریخی پس منظر میں ہی دیکھنے کی عادی ہیں اور اِن کے حل بھی مغربی تصورات
نظریات پر مسلط کر کے تلاش کرتے ہیں۔ اِس طرح وہ ان نتائج پر پہنچتے ہیں جو
تصورات کے بالکل برعکس ہوتے ہیں۔ ایسے ہی کچھ لوگ مغربی اندازِ فکر کی اندھا د
کرتے ہیں کیونکہ اِن کے ناقص خیال میں جو شے بھی مغرب سے آتی ہے وہ بہرحال
ارفع ہوتی ہے۔ دوسری طرف قدامت پسند، بنیاد پرست، مقلد مسلمان ہیں جو اسلام
اقدار سے نا آشنا ہیں اور فقط اسلام کی تاریخی روایت سے ہی مستقبل کے لئے راہنمائی
کرنا چاہتے ہیں اِن کا یہ غلط نقطہ نظر اِسلام کو ایک سخت اور بے لوچ مذہب بنا دیتا ہے،
مند معاشرتی ترقی کے تقاضوں کے متضاد ہے۔ رجعت پسند مقلد مسلمانوں کے لئے
ان سب فرسودہ روایات کی نمائندگی کرتا ہے، جن کے تحت انہوں نے اپنی زندگیاں
ہیں۔ بلکہ ایک ایسی چیز کے تعاقب میں ضائع کر دی ہیں، جس کو وہ درجہ کمال میں دیکھ
حالانکہ وہ سراسر ناقص تھی۔ یہ قدامت پسند مسلمان حقیقی اسلام اور روایتی اسلام میں فرق
کر پاتے اور اِس وہم میں مبتلا ہیں کہ اسلامی ریاست کا پہلا فریضہ یہ ہوگا کہ وہ اِن
روایات کو قانونی تحفظ فراہم کرے جن کے وہ عادی ہیں۔ دوسرے الفاظ میں ستم ظریفی
کہ قدامت پسند طبقات اِس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اسلام کی بقاء اِن ہی فرسودہ
روایات میں ہے، جن کی بے لچک سختی کی وجہ سے مسلمان حقیقی اسلام کے اصولوں کے
زندگیاں بسر کرنے سے قاصر رہ جاتے ہیں۔ اِن لوگوں کو یہ احساس بالکل نہیں ہے کہ
تغیر و تبدیلی (جس پر قرآن میں بہت زور دیا گیا ہے) کی بے جا مزاحمت ان گنت مسلم
کو لاچار مغرب کی نقالی کی طرف دھکیل رہی ہے۔

بنیاد پرست علماء منطق کی غلط علت کا شکار ہو رہے ہیں، جس کے تحت وہ اِس غلط فہمی
مبتلا ہیں کہ سطحی طور پر قدیم اسلامی اداروں کو واپس لانے سے ہی اِنسانی حالات میں خو
تبدیلی آ جائے گی۔ چنانچہ یہ علماء کردار، اخلاق اور روحانیت کی نسبت ظاہری شکل و صورت
رسوم پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ ان کا یہی رویہ انہیں سیاست کے میدان پر خار میں
جس کے نتیجہ میں نفاذ اسلام ایک قومی مسئلہ کی بجائے ایک سیاسی مسئلہ بن گیا۔ دراصل

اصل کام تعلیم اور کردار سازی ہے اور انہیں عملی سیاست میں حصہ لے کر اپنی تخلیقی توانائیوں کو ضائع کرنے کی بجائے اپنی ساری توجہ انسان سازی پر مرکوز رکھنی چاہیے۔ مصر کے سید قطب نے کیا خوب کہا ہے۔ کہ "شریعت اسلامی معاشرہ قائم نہیں کرتی بلکہ اسلامی معاشرہ شریعت کو قائم کرتا ہے"۔

ان دو متحارب گروہوں کی کشاکش کی وجہ سے ان لوگوں کا کام کمزور پڑ جاتا ہے جو اسلام کی ایک روشن خیال اور روحانی تعبیر کے خواہاں ہیں اور جو عہد عتیق کے ساتھ پر جوش تعلق قائم رکھتے ہوئے اسلامی معاشرہ کو جہان نو کی طرف قوت آفرین حرکت دینا چاہتے ہیں۔ رجعت پسند علماء اپنے مفادات کے پیش نظر اس متنذ گروہ کو بھی آزاد خیال، مغرب زدہ اور فرنگی گزیدہ گروہ کے ساتھ ملا دیتے ہیں جن کا مطمع نظر ایک انحرافی، سرمایہ دارانہ اسلام کو رائج کروانا ہے۔

اس زمانے میں عالم اسلام مغرب کے ہشت پہلو حملے کے شکنجے میں بری طرح پھنسا ہوا ہے اور وہ اس کے سب اداروں اور قدروں کو پامال کرنے کے در پے ہے۔ اگر عالم اسلام اس مغربی یلغار کا فوری مقابلہ ایک کثیر العناصر اور مربوط جوابی کاروائی سے نہیں کرے گا تو آئندہ آنے والی صدیوں میں اسلام کی حیثیت بطور ایک متبادل عملی نظام حیات کے ختم ہو کے رہ جائے گی۔ اور یہ جوابی کاروائی مسلمانوں کے متحرک اور روشن خیال طبقات ہی کر سکتے ہیں نہ کہ کہنہ خیال رجعت پسند اور بنیاد پرست طبقات، جو اسلام کے ظاہری اور رسمی اجزاء پر زیادہ زور دیتے ہیں اور اِس کے باطنی تخلیقی جوش وجدان پر کم۔ دراصل، مغرب بھی یہی چاہتا ہے کہ ایسے رجعت پسند مسلمان ہی آگے آئیں، کیونکہ اِس کے خیال میں ایسے مسلمان اسلام کی بدنامی کا باعث بن کر انجانے میں مغربی مقاصد کی تکمیل کرتے ہیں۔

بدقسمتی سے مسلمان قوم اور معاشرہ کی مشکل یہ ہے کہ اِس کے اندر اپنے آپ کو دھوکہ اور فریب دینے کی صلاحیت بہت ہے۔ ہر گروہ اور طبقہ، شاید بلا سوچے سمجھے، اپنے ذاتی مفادات کو اسلام کے مفادات کے ساتھ گڈ مڈ کرتا رہتا ہے۔ عالم اسلام میں ایک بار پھر حقیقی اسلام رائج کرنا کوئی آسان کام نہ ہوگا کیونکہ صدیوں پر محیط سامراجی تسلط نے مسلمانوں کی معاشرتی قوت، فکری توانائی اور خود اعتمادی کو بڑی طرح مجروح کر دیا ہے۔ نتیجتاً مسلمان اشرافیہ کا بیشتر

حصہ مغربی طرز فکر اور مغرب کے سیاسی اور معاشی تصورات سے مغلوب ہو کر اسلامی
اپنانے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتا ہے۔ دور حاضر کی بیشتر مشکلات مغربی تصورات کو
نظریات کی غلط تعبیروں سے گڈ مڈ کرنے سے پیدا ہوئی ہیں۔ دور حاضر کے مسلمانوں
ہوئی اکثر تحریریں عموماً مغربی معاشرتی اور سیاسی تصورات کو اپنائے ہوئے نظر آتی ہیں
اسلامی نظریات کے بالکل برعکس ہیں۔ ہمارے لئے ایک ہی راستہ ہے کہ ہم اسلام کے
ماخذوں، قرآن اور سنت رسول ﷺ کی طرف رجوع کر کے اسلامی معاشرہ کے خدوخال
سر نو تعین کریں۔ کیا یہ نہایت ہی افسوس ناک بات نہیں کہ ایک سادہ سی حقیقت ابھی تک
نظروں سے اوجھل ہے کہ خلافت مدینہ اس لئے کلی طور پر اسلامی تھی کہ اس کا مکمل انحصار
قرآن اور سنت رسول ﷺ پر تھا اور اس کے فکر پر بعد کے کلامی اور فقہی علم کا ملمع نہیں
تھا۔ اگر ہم صحیح اسلامی نظام رائج کرنا چاہتے ہیں تو پھر بطور پہلے قدم کے ہمیں اللہ کے
قانون کو، جو فقط قرآن اور رسول اکرمؐ کے واضح اور شفاف احکامات پر مبنی ہے، بعد کے
فکر سے آزاد کرنا ہوگا۔ مسلمانان عالم کی بقا اسی میں ہے کہ ان میں سے ہر کوئی علامہ اقبال
آرزو، یقین اور ارادہ کو اپنی روح کی گہرائی سے اپنا لے۔

سفینہ برگ گل بنا لے گا قافلہ مور ناتواں کا
ہزار موجوں کی ہو کشاکش، مگر یہ دریا سے پار ہو گا
میں ظلمت شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کارواں کو
شرر فشاں ہو گی آہ میری، نفس میرا شعلہ بار ہو گا

(بانگ

زندگی اور موت کا سوال

- جب ہمارا دین مکمل، ہمارا نبی ﷺ برحق اور ہمارا قرآن اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب ہے تو پھر ملت اسلامیہ کے زوال کی وجہ کیا ہے؟
- جب اللہ تعالٰے نے ہم سے وعدہ فرمایا کہ اگر تم مومن ہو تو تمہیں غالب رہو گے اور یہ بھی کہ اگر اللہ تمہارا مددگار ہے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ تو پھر ہم اسقدر مغلوب بے بس اور رسوا کیوں ہیں؟
- مسلمان نماز بھی پڑھتے ہیں، روزے بھی رکھتے ہیں اور حج بھی پہلے سے زیادہ کرتے ہیں۔ بزرگوں کے مزاروں پر عرس بھی خوب شاندار طریقہ سے مناتے ہیں۔ ماہ محرم میں بھی کیا جوش و خروش ہوتا ہے۔ مالدار بھی بہت ہیں اور لاکھوں لوگ کوٹھیوں، کاروں اور کارخانوں کے مالک ہیں تو پھر یہ مردنی کیوں ہے اور یہ تنزل کیوں ہو رہا ہے؟
- ہر طاقتور ملک کی نظریں ہمارے ملکوں پر کیوں لگی ہیں اور ہر طرف خون مسلم اسقدر بے دردی اور ارزانی کے ساتھ کیوں بہایا جا رہا ہے؟
- نکبت و ادبار کی موجودہ حالت سے نکلنے کے لئے کیا تدابیر اختیار کی جائیں اور کونسے لائحہ عمل پر چل کر ہم اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں

بانی سلسلہ کی دیگر تصانیف

تعمیر ملت

قرون اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجو
اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک
ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا مو
اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں
واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز او
اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لا

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

چراغ راہ

کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے
اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔
سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔
زوال امت میں امراء، علماء، صوفیا کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طبقے کی اصلاح
تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوف کے انسانی زندگی پر اثرات۔
سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

طریقت توحیدیہ

یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے
تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں ان
کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں
مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں
اوراد و اذکار اور اعمال و اشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل
کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کرسکتا ہے۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

حقیقت وحدت الوجود

کتاب ہذا وحدت الوجود کے موضوع پر ایک مختصر مگر نہایت مدلل اور اہم دستاویز ہے
خواجہؒ صاحب نے ذاتی مشاہدہ کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان
ابن عربیؒ کے نظریہ وحدت الوجود اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے وحدت شہود میں فر
انسان کی بقا اور ترقی کیلئے مذہب کیوں ناگزیر ہے۔
وہ بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا۔
روحانی سلوک کے دوران تمام بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ